UNIVERSAL
LIBRARY
OU-234173
UNIVERSAL
LIBRARY

وذکّر فانّ الذکریٰ تنفع المؤمنین

۱۵

تاریخ الامّت

حصّہ چہارم

خلافت عباسیہ

مصنّفہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

استاد تاریخ اسلام

جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ

مطبع ملّیہ علی گڑھ میں طبع ہوئی ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء

شعبۂ تصنیف جامعہ ملیہ نے شائع کی

فہرست مضامین تاریخ الامت حصہ چہارم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ	۱	اقلیم شام	۳۶
بنی عباس	۴	مصر	۳۷
حضرت عباس رض	۴	مغرب	۳۸
عبداللہ بن عباس رض	۶	ماوراء النہر	۳۹
علی بن عبداللہ رض	۷	خراسان	۴۰
محمد بن علی	۷	اقلیم دیلم	۴۱
خلافت	۸	رحاب	۴۱
جمعیت مخفیہ	۱۶	اقلیم الجبال	۴۲
دور اول	۱۸	خوزستان	۴۲
دور ثانی	۲۴	فارس	۴۳
انکشافِ حقیقت	۲۸	کرمان	۴۴
اعلانِ خلافت	۲۹	سندھ	۴۴
خاتمۂ بنی امیہ	۳۱	ولایت عہد	۴۵
خلافت عباسیہ	۳۲	سفاح (۱)	۵۰
ممالک اسلامیہ	۳۳	احوال داخلیہ	۵۱
جزیرۃ العرب	۳۴	امرار	۵۳
عراق	۳۵	ولیعہدی	۵۵
اقلیم جزیرہ	۳۵	وفات	۵۵

مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن (اسٹیشن روڈ)

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
منصور (۲)	۵۵	اولاد	۸۶
احوال داخلیہ	۵۵	مہدی (۳)	۸۷
عبداللہ بن علی	۵۶	احوال داخلیہ	۸۷
ابومسلم خراسانی	۵۹	فتنۂ زنادقہ	۸۹
محمد بن عبداللہ نفس زکیہ	۶۳	وزارت	۸۹
ابراہیم	۷۴	ابوعبداللہ	۸۹
نظم ولایات	۷۶	یعقوب	۹۱
وزارت	۷۷	ابن ابی صالح	۹۳
ربیع بن یونس	۷۸	احوال خارجیہ	۹۴
حاجب	۷۸	صفات مہدی	۹۴
کتابت	۷۸	ولی عہدی	۹۶
قضاء	۷۹	وفات	۹۶
صاحب شرطہ	۷۹	ہادی (۴)	۹۷
فوج	۷۹	احوال داخلیہ	۹۷
معن بن زائدہ	۸۰	حسین بن علی	۹۸
عمرو بن العلاء	۸۱	صفات ہادی	۹۸
دارالخلافہ	۸۱	ولی عہدی	۹۹
احوال خارجیہ	۸۲	وفات	۱۰۰
صفات منصور	۸۳	ہارون (۵)	۱۰۰
وفات	۸۶	احوال داخلیہ	۱۰۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حضارۃ بغداد	۱۰۱	امین (۶)	۱۲۹
علویہ	۱۰۲	احوال داخلیہ	۱۳۰
ادریس اول	۱۰۴	صفات امین	۱۴۱
افریقہ	۱۰۵	مامون (۷)	۱۴۲
خوارج	۱۰۶	شورش عراق	۱۴۳
مشرق	۱۰۷	علویہ	۱۴۳
وزارت	۱۰۹	فتنۂ مکہ	۱۴۵
برامکہ	۱۰۹	فتنۂ یمن	۱۴۷
یحییٰ بن خالد	۱۱۰	وزارت	۱۵۳
فضل بن یحییٰ	۱۱۳	احمد بن خالد	۱۵۴
جعفر بن یحییٰ	۱۱۴	ابن یوسف	۱۵۴
موسیٰ بن یحییٰ	۱۱۵	ثابت بن یحییٰ	۱۵۶
محمد بن یحییٰ	۱۱۶	دولت زیادیہ	۱۵۷
زوال برامکہ	۱۱۶	دولت اغالبہ	۱۵۸
عبدالملک	۱۲۰	ابراہیم بن مہدی	۱۵۹
احوال خارجیہ	۱۲۲	زط کی بغاوت	۱۶۰
مغربی روم	۱۲۵	نصر بن شبث	۱۶۱
قلمیہ	۱۲۶	بابک خرمی	۱۶۳
صفات ہارون	۱۲۶	فوج	۱۶۶
وفات	۱۲۸	طاہر بن حسین	۱۶۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عبداللہ بن طاہر	۱۶۹	علویہ	۱۹۸
محاصل	۱۷۰	فوج	۱۹۹
علوم وفنون	۱۷۳	محاصل	۲۰۵
محیط زمین	۱۷۶	احوال خارجیہ	۲۰۵
رصدگاہ	۱۷۷	صفات معتصم	۲۰۸
مجالس علمیہ	۱۷۷	وفات	۲۰۹
فتنۂ خلق قرآن	۱۸۰	ولایت عہد	۲۰۹
احوال خارجیہ	۱۸۷	واثق (۹)	۲۰۹
اخلاق وعادات	۱۸۸	وزارت	۲۱۰
وفات	۱۹۳	فوج	۲۱۰
ولی عہدی	۱۹۳	شورش قبائل	۲۱۰
معتصم (۸)	۱۹۳	مصادرۂ کتاب	۲۱۳
وزارت	۱۹۴	احوال خارجیہ	۲۱۴
احمد بن عماد و ابن زیاّت	۱۹۵	وفات	۲۱۵
ابن ابی دواد	۱۹۵	——	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵/-

دیباچہ

(۱) الحمد للہ کہ تاریخ الامت کے تین حصے جو اب تک شائع کیے گئے قوم میں مقبول ہوئے۔ اور علمی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ بجز ایک آدھ ناواقفوں کے اکثر اہل قلم نے اُن کے اوپر اچھی رائیں ظاہر کیں۔ اور مجلس تعلیمیہ ملیہ نے ان کو بامعانِ نظر ملاحظہ فرما کر قومی نصاب درس میں داخل کر لیا۔

ہندوستان کے ہر گوشہ سے ان کی جسقدر مانگ ہوئی۔ اور اہل ملک نے ان کو جسطرح ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُس سے اندازہ ہوا کہ ایک ایسی کتاب کی کسقدر شدت کے ساتھ ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ تاریخ الامت نے ایک حد تک اس ناگوار کمی کو پورا کیا۔

اب یہ اس کا چوتھا حصہ شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں پورے سو برس کی تاریخ ہے۔ یعنی سنہ ۱۳۲ھ سے جبکہ بنی عباس کی خلافت قائم ہوئی سنہ ۲۳۲ھ تک۔ نویں عباسی خلیفہ واثق باللہ کی وفات تک کے حالات اس میں آ گئے ہیں۔ یہ زمانہ خلافت عباسیہ کے عروج کا تھا۔ اس کے بعد سے زوال شروع ہو گیا جس کی تاریخ انشاء اللہ پانچویں حصہ میں آئے گی۔

(۲) ان نو خلفاء میں سے بجز ہارون الرشید و مامون کے اور کسی کے حالات

ابتک اردو زبان میں مورخانہ حیثیت سے نہیں لکھے گئے۔ ان میں سے بھی الہارون جو سلسلہ آصفیہ سے شروع ہوئی ہی ایک انگریزی کی کتاب کا محض کورانہ ترجمہ ہی۔ جو کسی طرح امت کے سامنے پیش کرنیکے قابل نہیں تھا۔ کیونکہ یوروپین مصنفین تاریخ اسلام میں بالعموم یہ غلطی کرتے ہیں کہ کتب محاضرات کے قصوں کو لیکر جو بازاری خرافات کا مجموعہ ہیں اپنے حسب نشا نتائج اُنسے نکالتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اس قسم کے اغلاط سے پُر ہی۔

حقیقت یہ ہی کہ اُمت کی تاریخ قومی میراث ہی۔ اغیار کے زاویۂ نظر سے اس کو اپنی قوم کو دکھلانا اک جرم قبیح ہی۔

(۳) ایک عجیب بات یہ ہی کہ عوام میں تاریخی اشخاص میں سے جو کسی لحاظ سے مقبول ہو گیا ہی اُس کی ہربات ان کے نزدیک پسندیدہ ہی۔ اور جس کو کسی وجہ سے اُنھوں نے براخیال کرلیا ہے اس میں کسی خوبی کو نہیں مانتے۔ ان کے ذہن میں اس طرح کا کوئی تاریخی انسان مشکل سے آتا ہی جس میں بھلائی اور برائی دونوں پائی جاتی ہوں۔ حالانکہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے تمام بنی آدم اسی قسم کے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہی ان کے عیب و ہنر دونوں دکھلانیکی کوشش کی ہی۔ کیونکہ بلا اس کے تاریخی بصیرت پیدا نہیں ہو سکتی۔

(۴) ہم نے اس کتاب کا عمود تاریخ خلافت کو قرار دیا ہی۔ اسی کا حال ہم آخر تک انشاء اللہ تعالٰے مسلسل لکھیں گے۔ اور جس جس عہد میں جو جو حصے اس میں شامل یا اس سے الگ ہوتے گئے ہیں ان کو ضمناً دکھلاتے جائیں گے۔

چونکہ ہم نے فائدۂ عام کے خیال سے، اس کتاب کو ضروری تاریخی معلومات پر محدود رکھنا اور اس میں صرف سیاسی حالات لکھنے پر اکتفا کرنا مناسب سمجھا اس لیے علمی کیفیات کو جنکے لیے ایک دفتر درکار تھا مفصلاً نہیں بیان کیا۔ مختصراً ذکر کردیا ہی۔

علاوہ بریں خلافت عباسیہ میں جو علمی تحریک شروع ہوئی وہ اسکی شوکت وقوت یا ضعف وانحطاط کی تابع نہیں رہی - چنانچہ سلجوقیوں کے زمانہ میں یہ خلافت اگرچہ بیحد کمزور ہو گئی تھی لیکن علمی تحریک اسوقت بھی زبردست تھی - اس لیے علمی تاریخ کے واسطے ایک جداگانہ مستقل کتاب کی ضرورت ہی جس میں وہ سلسلہ اور ترتیب کے ساتھ لکھی جائے - عام تاریخ میں میرے خیال میں اسکا شامل کرنا موزوں بھی نہ تھا -

محمد اسلم جیراجپوری

۱۵ شعبان سنہ ۱۳۴۱ ہجری

جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڈھ

بنی عباسؓ

عبدالمطلب بن ہاشم کے اگرچہ دس بیٹے تھے۔ لیکن ان کے دو بیٹوں ابوطالب اور عباسؓ کی اولاد کثرت کے ساتھ بڑھی۔ اور افریقہ سے لیکر وسط ایشیا تک اسلامی ممالک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔

تاریخ اسلام میں ان دونوں خاندانوں کا عظیم الشان حصہ ہے۔ اس موقع پر ہم عباسی خاندان کا حال لکھتے ہیں۔

حضرت عباسؓ

اُن کی والدہ نُتَیلہ بنت جناب تھیں۔ ولادت عام فیل سے تین سال قبل ہوئی تھی۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن میں تین سال بڑے تھے۔

حضرت عباسؓ عقلاء اور سادات بنی ہاشم میں سے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو گو اسوقت یہ اسلام نہیں لائے۔ لیکن ان کے ساتھ خلوص بیحد رکھتے تھے۔ چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پچھلے پہر انصار سے ملنے کے لیے تشریف لائے تو حضرت عباسؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ اور انھوں نے انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اپنی قوم میں عزت اور امن کے ساتھ ہیں۔ تم لوگ جو ان کو اپنے شہر میں لیجانا چاہتے ہو تو یہ سوچ لو کہ تم کو سارے عرب سے لڑنا پڑیگا۔ لہٰذا ابھی سے خوب سمجھکر مشورہ کرلو۔ اگر تم اپنے اندر محافظت اور مدافعت کی قوت پاتے ہو تو لیجاؤ۔ ورنہ باز رہو۔ کیونکہ بات وہی اچھی ہوتی ہے جو پکی ہو۔

یہ سنکر انصار نے جاں نثاری کے وعدے کیے۔ اور حضرت برار بن معرور انصاری نے فرمایا کہ

اگر ہمارے دل میں کوئی اور بات ہوتی تو اس کا اظہار کرنے میں ہم کو کوئی باک نہ تھا۔ ہم لوگ وفادار اور راست باز ہیں۔ اور اپنی جانوں کو رسول اللہ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

جب انصار بیعت کرنے لگے اسوقت بھی حضرت عباس ان کو تاکید کرتے جاتے تھے کہ دیکھو! جو کچھ عہد کرتے ہو اس کو پورا کرنا۔ جنگ بدر کے لیے جب کل قریش بلا استثنا مسلمانوں کے مقابلہ کیلیے نکلے تو حضرت **عباس** اور ان کے دونوں بھتیجوں **طالب** اور **عقیل** کو بھی قوم کے ساتھ مجبوراً نکلنا پڑا۔ یہی سبب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیدیا تھا کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی تمھارے سامنے پڑ جائے تو اُس کو قتل نہ کرنا۔ چنانچہ یہ لوگ گرفتار ہوئے۔ اور حضرت عباس نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا۔ پھر مکہ میں قیام پذیر رہے۔ یہاں جو کمزور مسلمان کفار کی سختیوں میں گرفتار تھے ان کی دستگیری کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلعم کو حالات سے اطلاع دیتے رہتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد مدینہ آنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں لکھا کہ تمھارا وہاں رہنا زیادہ مفید اور اچھا مجاہدہ ہے۔ اسوجہ سے نہیں آئے۔ جب صلح حدیبیہ ہو چکی اور قبائل میں آمد ورفت ہونے لگی اس کے بعد ہجرت کرکے مدینہ پہنچے۔

۸ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ پر چڑھائی کی تو حضرت **عباس** ساتھ تھے۔ ان کا دردمند دل اپنی قوم قریش کے لیے بے چین تھا۔ جب مکہ کے قریب لشکر خیمہ زن ہوا تو یہ رات کو نکلے۔ رستہ میں **ابوسفیان** سے جنکے ساتھ بچپن سے ان کو دلی محبت تھی ملاقات ہوئی۔ ان کو اپنی پناہ میں لائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے پاس لیجاکر اسلام کی حقیقت سمجھائی۔ چنانچہ وہ صبح کو آنحضرت کی خدمت میں جاکر مسلمان ہوئے۔

حضرت **عباس** کی سفارش پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے گھر کو امان کے لحاظ سے خانہ کعبہ کے برابر کردیا۔ جس کی وجہ سے انھوں نے مکہ میں پہنچکر قریش کو ڈرایا اور لڑائی سے روکا

جس سے بلا جنگ کے مکہ میں مسلمان داخل ہو گئے۔ قریش کشت و خون سے بچ گئے۔ اور امان عام پانیکے بعد اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہوئے۔

جنگ حنین میں بھی حضرت عباس شریک تھے۔ اور جسوقت سب کے منہ دشمنوں کے تیروں سے پھر گئے تھے اسوقت بھی یہ نہایت ثابت قدمی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے ہوئے رہے۔

آنحضرت صلعم ان کی نہایت محبت اور تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور آپ کے بعد خلفاء کا بھی یہی برتاؤ رہا۔

حضرت **عباس** کی وفات حضرت **عثمان** کے عہد میں یوم جمعہ ۱۴ رجب ۳۲ھ کو مدینہ میں ہوئی۔ عمر ۸۸ سال کی تھی۔ بقیع میں دفن ہوئے۔ ان کے بیٹوں میں **فضل** سب سے بڑے تھے۔ اسی وجہ سے انکی کنیت **ابوالفضل** تھی۔ باقی اولاد یہ ہیں۔

عبداللہ۔ عبیداللہ۔ عبدالرحمن۔ قثم۔ معبد اور **ام حبیبہ** ان سب کی والدہ لبابہ بنت حارث تھیں۔ دو بیٹے **کثیر** اور **تمام** اور دو بیٹیاں **صفیہ** اور **امیمہ** ام ولد سے تھیں۔ ایک بیٹا **حارث** نامی **جمیلہ** بنت جندب ہذلی کے شکم سے تھا۔ لیکن بجز **عبداللہ** کے کسی کی نسل نہیں چلی۔

عبداللہ بن عباسؓ

ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ آنحضرت صلعم ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور ان کے لیے دعا بھی مانگی تھی کہ "اللھم فقہہ فی الدین"۔ چنانچہ جماعت صحابہ میں قرآن دانی میں ممتاز تھے۔ علماء اسلام میں ان کا لقب اسی وجہ سے **حبر امت** ہے۔ فصاحت اور طلاقت میں یہ مشہور تھے۔ حضرت **عمرؓ** بھی ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اور باوجود کمسن ہونے کے بھی ان کو اپنی مجلس مشورہ میں شریک رکھتے تھے۔ حضرت **عثمانؓ**

نے اپنی محصوری کے زمانہ میں انھیں کو امیرالحاج بنایا تھا۔

جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو یہ ان کے حامی اور مددگار رہے۔ انھوں نے ان کو بصرہ کا والی کر دیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کے اوپر یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے بیت المال میں سے کوئی رقم لیلی ہے۔ اس وجہ سے یہ حضرت علی کا ساتھ چھوڑ کر طائف میں چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کی۔

امیر معاویہ اپنے زمانہ میں ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ وہی محبت رکھتے تھے جو حضرت ابوسفیان اور عباسؓ میں تھی۔

عبداللہ بن عباس نے ۶۸ھ میں طائف میں انتقال کیا۔

علی بن عبداللہ

یہ اسی رات کو پیدا ہوئے تھے جس رات میں حضرت علی بن ابی طالب نے وفات پائی تھی۔ اسی وجہ سے ان کا نام علی رکھا گیا تھا۔ یہ نہایت حسین آدمی تھے۔ اور اسقدر بلند بالا تھے کہ طواف میں جسوقت ہجوم ہوتا تھا اسوقت ایسے نظر آتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ کھڑے ہیں۔

خلفاء بنی امیہ نے ایک گاؤں حمیمہ جو مدینہ سے دمشق جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے ان کو جاگیر میں دیا تھا۔ اس لیے اسی جگہ سکونت اختیار کی۔ اور وہیں ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ پائیں ۲۲ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں چھوڑیں۔ بیٹوں میں سب سے بڑے محمد تھے۔ وہی ان کے جانشین ہوئے۔

محمد بن علی

دعوت عباسی کی بنیاد انھیں سے پڑی۔ یہ امام ابراہیم۔ اور ابوالعباس سفاح خلیفہ اول اور ابوجعفر منصور خلیفہ دوم عباسی کے والد تھے۔

اس موقع پر مختصراً یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ عباسیوں میں خلافت کا خیال کیونکر پیدا ہوا۔

خلافت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مرض الموت میں تھے اس وقت حضرت عباس نے حضرت علیؓ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بچنے کی امید کم ہے۔ کیونکہ آخری وقت میں بنی ہاشم کی جو صورت ہو جاتی ہے اس کو میں بارہا دیکھ چکا ہوں اور خوب پہچانتا ہوں۔ لہٰذا تم ان کی خدمت میں جا کر خلافت کے معاملہ کو طے کر لو۔ اگر بنی ہاشم میں ہے تو خیر ورنہ جو خلیفہ ہو اس کو ہمارے متعلق وصیت فرما دیں۔ حضرت علی نے جانے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ اگر آج نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خلافت سے محروم کر دیا تو پھر وہ قیامت تک کبھی ہم کو نہیں مل سکے گی۔

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جمہور اہل اسلام نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس وقت بنی ہاشم میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین رشتہ دار حضرت عباس تھے۔ پھر حضرت علی۔ حضرت عباس اگرچہ رشتہ میں قریب تر اور سن میں بزرگ تھے لیکن حضرت علی کو سابقہ اسلامی اور خدمت دینی کا شرف ان سے بڑھکر حاصل تھا۔ علاوہ بریں حضرت فاطمہ بنت رسول ان کی زوجیت میں تھیں۔ اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ اسی خیال کی بنیاد پر وہ حضرت ابو بکر کی بیعت عامہ میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ چھ مہینہ کے بعد جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو آ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت ابو بکر کے بعد جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو حضرت علی اور عباس دونوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت عمر کے بعد خلافت جب بے جال شوریٰ میں آئی تو حضرت علی کو قوی امید ہو گئی کہ

اُن کا انتخاب ہو جائے گا۔ لیکن کثرتِ رائے سے حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے۔ اس سے حضرت علی کبیدہ خاطر ہو گئے۔

حضرت عثمان کی خلافت کے ساتویں سال ۳۰ھ میں بڑے بڑے اسلامی مرکزوں میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ خلافت حضرت عثمان سے نکال کر حضرت علی کو دلائی جائے۔ کوفہ۔ بصرہ۔ شام۔ اور مصر میں ایک جماعت نے اس خیال کو پھیلانا شروع کیا۔ جس کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔

ان لوگوں نے حضرت عثمان کے والیوں کے بیشتر فرضی افسانے مشہور کرنے شروع کیے۔ اور عوام کو ان کی طرف سے بدظن کرنے لگے۔

اسی قسم کے خطوط ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیجے جاتے تھے۔ وہاں کے اہلِ فتنہ ان کو لوگوں میں شائع کرتے تھے۔

عوام اس کو سنکر رنج اور افسوس کرتے تھے کہ فلاں شہر میں مسلمانوں پر اس قسم کے مظالم ہو رہے ہیں۔ بصرہ والے کوفیوں پر اور کوفہ والے بصریوں پر ترس کھاتے تھے۔ اور ہر ایک یہ کہتا تھا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس آفت سے محفوظ ہیں۔

مدینہ میں جہاں ہر طرف سے خطوط پہنچتے تھے لوگ سب کی حالت زار پر ہمدردی کا اظہار کرتے تھے اور شکر کرتے تھے کہ ہم عافیت میں ہیں۔ اس طرح پر ان فتنہ پردازوں نے عام اہل اسلام کو والیانِ صوبہ جات کے مظالم کے جھوٹے افسانوں سے متاثر کر کے برگشتہ کر دیا۔

حضرت عثمان نے تحقیقات کیلیے اطراف و دیار میں معتبر صحابہ کو بھیجا۔ معلوم ہوا کہ یہ تمام شکایات مصنوعی ہیں۔ صرف چند اشخاص اس کی تہ میں ہیں جنکی سازش سے جعلی خطوط بنا مخفی طور پر بھیجے جاتے ہیں۔

حضرت عثمان چونکہ نرم خو تھے۔ اور اس بات سے بہت ڈرتے تھے کہ ان کی ذات سے کسی فتنہ کا آغاز ہو جائے۔ اس لیئے انھوں نے اس مفسد جماعت کی تفتیش نہیں فرمائی۔ نہ اس کی سزا کے درپے ہوئے۔ یہانتک کہ ان لوگوں نے خود حضرت عثمان کی شکایت شروع کی۔ اور ان کے اوپر الزامات لگائے۔ پھر مصر۔ کوفہ اور بصرہ تینوں مقامات سے اس جماعت کے لوگ ان کے پاس آئے۔ اور روبرو ان شکایات کو بیان کیا۔ حضرت عثمان نے انکے جوابات دیے اور ان کو رخصت کر دیا۔ اسوقت بھی کچھ ان کے ساتھ نہیں کیا۔

چند روز کے بعد یہ لوگ پلٹ کر پھر مدینہ میں آ گئے۔ اور ایک جعلی خط لا کر دکھایا کہ حضرت عثمان نے یہ مصر کے والی کے نام لکھا ہے کہ جب ہم وہاں پہنچیں تو وہ ہم کو سزائیں دے۔ اس پر حضرت عثمان کا دستخط اور انکی مہر بھی بنی ہوئی تھی۔ جسوقت یہ خط اُن کو دکھایا گیا۔ انھوں نے اللہ کو گواہ کر کے کہا کہ نہ میں نے اس کو لکھا نہ مجکو اس کا علم ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر یہ فعل آپ کا نہیں ہے تو آپ کے کاتب مروان کا ہے اس کو ہمارے حوالہ کیجیئے۔ حضرت عثمان نے اس سے انکار کیا۔ اور فرمایا کہ دستخط کے مشابہ دستخط اور ایک مہر کی طرح دوسری مہر بھی بن سکتی ہے۔ ثبوت کے لیے دو گواہ عادل چاہئیں۔

اُن لوگوں نے یہ سنکر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ اور حضرت عثمان کو اُن کے گھر میں محصور کر لیا۔ پھر چند روز کے بعد اس میں آگ لگا دی اور اندر گھسکر ان کو قتل کر ڈالا۔

اسوقت سے امت پر ایک ایسے عظیم الشان فتنہ کا دروازہ کھل گیا جو آجتک بند نہیں ہو سکا۔ یعنی ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان پر چلنے لگی جو ایک جاہلانہ فعل اور قطعاً حرام ہے۔ خلیفۂ ثالث کو قتل کر کے اُن لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کو بھی ایک دن اطمینان نہ مل سکا۔ اور وہ اپنے چند سالہ عہد خلافت میں بصرہ۔ نہروان اور صفین کی لڑائیوں میں

مبتلا ہے۔ آخر میں پنچوں نے ان کو خلافت سے معزول کیا۔ اور جب انھوں نے اس فیصلہ کو نہیں تسلیم کیا تو ایک خارجی نے رمضان سنہ ۴۰ھ میں رات کو چھپکر ان کو خنجر مارا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

معاویہ بن ابی سفیان کی طاقت اسوقت بڑھ گئی تھی۔ اور شام۔ حجاز۔ یمن اور مصر کے لوگ اُن کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر چکے تھے۔ اسوجہ سے حضرت علی کے بعد جمہور اہل اسلام کا انہیں کی طرف میلان ہوا۔ صرف کوفہ جو شیعۂ علی کا مرکز تھا ان کی بیعت سے خارج رہا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ حضرت علی کو نہ صرف امیر معاویہ بلکہ خلفاء سابقین سے بھی افضل سمجھتے تھے۔

لیکن باوجود اس عقیدت کے حضرت علی کی پوری فرمانبرداری اور اطاعت ان لوگوں نے نہیں کی۔ بلکہ اکثر ان کے احکام کو ٹالدیتے تھے۔ اور جب وہ جنگ کی طیاری کا حکم دیتے تھے تو یہ اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے تھے۔ اس کے مختلف اسباب تھے جن کو ہم پہلے تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔

اِن لوگوں نے حضرت علی کے بعد امام **حسن** کو ان کا جانشین بنایا۔ امیر معاویہ فوجیں لیکر آئے۔ پہلے ہی حملہ میں عراقیوں نے شکست کھائی۔ اور امام حسن زخمی ہو گئے۔ اس لیے انھوں نے سمجھ لیا کہ اِن عراقیوں کے عدم اخلاص کی وجہ سے میرے والد اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ لہذا ان سے مجھے بھی کچھ توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ کیونکہ یہ لوگ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ یہ سوچکر اُنھوں نے امیر معاویہ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور مدینہ میں آکر قیام پذیر ہو گئے۔ وہیں سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔

امیر معاویہ نے نہایت حلم۔ فیاضی۔ دانشمندی اور فرزانگی کے ساتھ خلافت کا کام کیا جس سے اُن کی مخالفت کا جوش فرو ہو گیا۔ اور اہل بیت کی خلافت کی دعوت بھی دب گئی۔

اگرچہ مناسب وقت کے انتظار میں وہ دلوں میں مخفی رہی۔

امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کے لیے ولیعہدی کی بیعت لی۔ اسوقت چند افراد کی طرف سے مخالفت ظہور میں آئی۔ اور جب امیر معاویہ کے بعد یزید خلیفہ ہوا تو مکہ، مدینہ اور کوفہ تین مقامات میں اس کے خلاف شورش برپا ہوئی۔

مکہ میں عبداللہ بن زبیر نے پناہ لی تھی۔ وہاں انھوں نے اپنی خلافت کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کیا۔

مدینہ میں بھی ایک جماعت مخالفت کے لیے کھڑی ہوئی۔ اور یزید کی بیعت فسخ کردی۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو فوج دے کر روانہ کیا۔ اُس نے وہاں پہنچکر نہایت سختی کے ساتھ اُس بغاوت کو دبایا۔

کوفہ کے شیعۂ اہل بیت نے قاصد اور خطوط بھیجکر امام حسین کو طلب کیا کہ ان کو خلیفہ بنائیں۔ امام موصوف باوجود اس کے کہ ان کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور ان کا جور وتیہ حضرت علی اور امام حسن کے ساتھ رہا تھا اُسے خود دیکھ چکے تھے لیکن پھر بھی ان کے بلاوے پر بلا کسی فوج اور ساز و سامان کے روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچکر عبیداللہ بن زیاد کی فوجوں سے مقابلہ ہوا۔ اور آخر انھیں کوفیوں نے جن میں ایک شخص بھی شام کا نہ تھا ان کو اور اُن کے قافلہ کو قتل کر ڈالا۔

یہ حوادث گذر گئے۔ ۶۴ھ میں یزید بھی مر گیا۔ اب عبداللہ بن زبیر کی خلافت کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا۔

اور اہل حجاز۔ مصر اور عراق سب ان کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ حجاز میں بنی ہاشم کے صرف چند اشخاص رہ گئے تھے جنھوں نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔ مثلاً محمد بن علی بن ابی طالب جو

ابن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں - اور عبداللہ بن عباس وغیرہ - ابن زبیر نے ان لوگوں کو قید کر دیا -

شام میں بنی امیہ نے مروان بن حکم کو خلافت کے لیے اُٹھایا - وہاں کچھ لوگ ابن زبیر کے حامی تھے - ان میں اور بنی امیہ میں ایک جنگ عام شروع ہو گئی -

اس ہنگامہ میں کوفہ میں ایک شخص مختار بن ابی عبید ثقفی ۶۶ھ میں اُٹھا - اُس نے چاہا کہ اس فتنہ اور شورش میں وہ عراق پر اپنا تسلط قائم کر لے - لیکن اہل عراق چونکہ اہل بیت کے طرفدار تھے اس لیے ان کی امداد حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اہل بیت کی حمایت اختیار کی جائے - چنانچہ اس نے امام حسین کے قصاص لینے کے نام سے جھنڈا بلند کیا - اور محمد بن الحنفیہ کی بیعت کی طرف جو اسوقت حضرت علی کے سب سے بڑے بیٹے تھے لوگوں کو بلایا - اور ان کا لقب امام مہدی مشہور کیا -

مختار نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی موثر عبارتیں اور خطبے جو اس نے ... استعمال کیے - اس کی کثرت دروغ بافی کی وجہ سے عقلاء کوفہ نے اس کا لقب کذاب رکھا تھا -

اس نے روسا شیعہ کو اپنے ساتھ ملایا - اور اپنے آدمی بھیجکر محمد بن الحنفیہ کو ... چھڑا لیا -

اس سال مسلمانوں میں ایسا تفرقہ تھا کہ میدان عرفات میں چار مختلف علم نصب ہوئے تھے ایک ابن زبیر کا - دوسرا بنی امیہ کا - تیسرا محمد بن الحنفیہ کا اور چوتھا خوارج کا - لیکن ... اور حرم میں خونریزی نہیں ہوئی -

مختار کی چیرہ دستی کو دیکھکر عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی مصعب کی ... میں ایک فوج اس کے استقبال کے لیے روانہ کی - چونکہ شرفاء و کبار عراق مختار کی نیت اور اس کے افعال سے واقف ہو چکے تھے اس لیے اُنھوں نے مصعب کا ساتھ دیا - وہ غالب آئے - اور مختار مارا گیا -

آخری وقت میں جب وہ دارالامارت میں محصور ہوگیا تھا۔ اور اس کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تھے اس سے ایک شخص نے کہا کہ یہ تم کو کیا ہو گیا تھا کہ خواہ نخواہ کھڑے ہو گئے اور لاکھوں آدمیوں کو مصیبت میں ڈالدیا۔ مختار نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا کہ شام میں **مروان** اور حجاز میں **ابن زبیر** اپنی اپنی خلافت کے دعوے کررہے ہیں مجھے یہ خیال ہوا کہ کیا میں ان میں سے کسی سے کم ہوں۔

شام میں بنی امیہ غالب آگئے۔ مروان کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا **عبدالملک** خلیفہ ہوا۔ اس نے مصر اور عراق پر بھی غلبہ حاصل کرکے اپنی بیعت لیلی۔ اب صرف حجاز رہگیا۔ ۷۲ھ میں اس نے **حجاج** کو فوج دے کر مکہ کی طرف بھیجا۔ ابن زبیر مارے گئے۔ اور تمام ممالکِ اسلامیہ پر **عبدالملک** کی خلافت مسلم ہوگئی۔ **محمد بن الحنفیہ** نے بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی لیکن باوجود اس کے ان کے شیعہ انھیں کو خلافت اور امامت کا حقدار سمجھتے رہے۔ اور جب انھوں نے انتقال کیا تو اُن میں سے بعضوں نے ان کی موت کا انکار کردیا۔ اور کہا کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ غائب ہوگئے ہیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد ان کا ظہور ہوگا اور وہ خلافت لے لیں گے۔ لیکن اکثروں نے اُن کے بیٹے **ابوہاشم** کو اُن کا جانشین تسلیم کرلیا۔ یہ لوگ **کیسانیہ** کہے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ **مختار ثقفی** کے ساتھی تھے۔ اور اس کا لقب **کیسان** تھا۔

شیعہ امامیہ نے علی بن حسین یعنی **زین العابدین** کو اپنا امام بنایا۔ جنھوں نے **یزید** نیز **عبدالملک** کے ہاتھ پر بھی بیعت کی تھی۔ اور جو کبھی اپنی ذات کے لیے خلافت کے طالب نہیں ہوئے ان کے بعد ان کے بیٹے **محمد باقر** کو۔

اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امامت حضرت **علی** کی صرف اس اولاد میں محدود ہے جو حضرت **فاطمہ** سے ہے۔ اور چونکہ امام **حسین** نے اسی معاملہ میں اپنی جان دیدی اس لیے یہ اُنھیں کی نسل میں آگئی۔

دوسرا فرقہ یہ کہتا ہی کہ حضرت علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔ اس لیئے آنحضرت کے بعد امام اول وہی ہیں۔ ان کے بعد امام حسن۔ پھر امام حسین پھر اُن کے بیٹے زین العابدین۔ ان کے بعد ہر فاطمی جو علم۔ سخاوت اور شجاعت سے موصوف ہو امام ہوسکتا ہی۔ چنانچہ ان لوگوں نے زید بن علی بن حسین کو اپنا امام تسلیم کیا۔ یہ زیدی کہلائے۔ اور اتبک اسی نام سے مشہور ہیں۔

کیسانیہ کے امام ابو ہاشم حمیمہ میں چلے گئے تھے۔ وہیں بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔ چونکہ اُنھوں نے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا اس وجہ سے بنی عباس نے یہ دعوے کیا کہ وہ علی بن عبداللہ کو اپنے حق امامت کی وصیت کر گئے ہیں۔ فرقہ کیسانیہ اس بنیاد پر ان کا طرفدار ہو گیا۔ لیکن علی بن عبداللہ صرف نام کے وصی تھے۔ کام جو کچھ کیا اُن کے بیٹے محمد نے کیا۔ اور وہی انکے بعد امام بھی قرار پائے۔ جس زمانہ میں علی بن عبداللہ نے وفات پائی تقریباً اُسی زمانہ میں امامیہ کے امام محمد باقر کا انتقال ہوا۔ امامیہ نے ان کے بیٹے جعفر صادق کو امام تسلیم کیا۔ یہ لوگ کبھی طالب خلافت نہیں ہوئے۔ البتہ زیدیوں نے امام زید کی حمایت اور نصرت کا علم کوفہ میں بلند کیا۔ وہ مقتول اور مصلوب ہوئے۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ کو اُٹھایا۔ اُن کا انجام بھی یہی ہوا۔

لیکن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نہایت عقیل اور دانشمند تھے۔ اُنھوں نے یہ سوچ لیا کہ خلافت اور سلطنت کا ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کرنا فوری جوش کے ساتھ ممکن نہیں ہی۔ اور تاوقتیکہ ایک کثیر تعداد اس مقصد کی حمایت کے لیے طیار نہ کر لی جائے اسوقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اُنھوں نے اپنے شیعہ میں سے داعیوں کی ایک جماعت منتخب کی جو لوگوں میں اہل بیت کی امامت کی تبلیغ کرے۔ اور کسی خاص شخص کا نام نہ لے۔ کیونکہ یہ خوف تھا کہ اگر کسی امام کا نام متعین کر دیا جائے گا تو جس وقت بنی امیہ کو خبر ہو گی وہ اسکو

قتل کرڈالیں گے۔

اُنھوں نے تبلیغ کے دو مرکز قرار دیے۔ **کوفہ اور خراسان**۔

کوفہ کو تو اس وجہ سے منتخب کیا کہ وہ شیعہ کا اصلی گھوارہ تھا۔ اور خراسان کو اس خیال سے کہ وہاں کے لوگ نومسلم اور جاہل اور اسلامی حریت۔ مساوات اور جمہوریت کے مفہوم سے ناآشنا تھے۔ ان کے یہاں سلاطین اور ملوک کی جو تاریخ تھی اس کے لحاظ سے ان کو یہ سمجھا دینا بہت آسان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور اہل بیت خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ علاوہ بریں اہل ایران وخراسان زمانۂ قدیم سے صاحب ریاست وحکومت تھے۔ اور بنی امیہ نے ان کو بالکل محکوم بنا رکھا تھا اور حکومت میں کسی قسم کا حصہ نہیں دیا تھا۔ اس لیے وہ دل سے انقلاب کے خواہاں تھے۔

چنانچہ محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو خراسان روانہ کرتے وقت جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا۔

> کوفہ اور سواد کوفہ کے باشندے حضرت علی اور ان کی اولاد کے شیعہ ہیں۔ بصرہ اور اس کے اطراف کے لوگ عثمانی ہیں۔ جن کا یہ خیال ہے کہ بندہ مقتول بن قاتل نہ بن۔ اہل جزیرہ دین سے خارج ہیں نام کے مسلمان اور اخلاق میں عیسائی۔ شام والے جاہل اور سرکش ہیں اور سوائے بنی امیہ کے کسی کو نہیں جانتے۔ مکہ اور مدینہ والوں پر ابوبکر اور عمر کی عقیدت غالب ہے۔
>
> تم لوگ مشرق کا رخ کرو جدھر سے دنیا کا چراغ سورج نکلتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کے دل سادے۔ سینے چوڑے۔ بدن فربہ اور سر بڑے ہیں۔ اور وہ تعداد میں بھی بہت ہیں۔

جمعیت مخفیہ

تبلیغ کی یہ جمعیت دوسری صدی ہجری کے آغاز میں **عمر بن عبد العزیز** کے عہد خلافت میں

قائم کی گئی - گو اسوقت علی کوفہ کے مرکز میں انھوں نے اپنے خاص خانہ زاد غلام میسرہ کو متعین کیا - اور خراسان میں محمد بن خنیس اور ابو عکرمہ سراج دو شخصوں کو بھیجا - کہ وہ مختلف مقامات پہ قیام رکھیں - مندرجہ ذیل بارہ نقیب منتخب کیے گئے -

(۱) سلیمان بن کثیر خزاعی	(۷) لاہز بن قریظ تمیمی
(۲) مالک بن ہیثم "	(۸) موسےٰ بن کعب
(۳) طلحہ بن زریق "	(۹) قاسم بن مجاشع
(۴) عمرو بن رعین "	(۱۰) ابوداؤد خالد بن ابراہیم شیبانی
(۵) عیسیٰ بن رعین "	(۱۱) ابوعلی ہروی شبل بن طہمان الحنفی
(۶) قحطبہ بن شبیب طائی	(۱۲) عمران بن اسماعیل المعیطی

ان نقیبوں کی ماتحتی میں ستر اشخاص اور مقرر کیے گئے جو ان کی ہدایت کے مطابق کام کریں - طریقہ کار کے لیے خود محمد بن علی نے ایک دستور العمل لکھ کر ہر ایک کو اسکی ایک ایک نقل دیدی

یہ دعاۃ اسی وقت سے جا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے - یہانتک ایک تہائی صدی کی کوشش کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے - یعنی ۱۳۲ھ میں اُنھوں نے محمد بن علی کے بیٹے سفاح کو کوفہ میں خلیفہ بنایا - اور بنی اُمیہ کی خلافت کا خاتمہ کر دیا -

یہ مدت عمل دو دوروں میں منقسم ہے - دوراول میں دعوت محض زبانی اور خیالی تھی - کیونکہ ان مبلغین کے پاس کوئی قوت اس وقت نہ تھی جس سے یہ کام لیتے - علاوہ بریں اس زمانہ میں بنی امیہ میں شقاق و نفاق باہمی زیادہ نہیں تھا - اور ان کی شوکت غالب تھی - اس لیے ان کے خوف سے یہ لوگ مخفی طور پہ اپنے خیالات کی اشاعت اور تبلیغ کرتے تھے -

یہ حالت ۲۹ سال تک رہی -

دور ثانی میں جب ان کا حلقہ اثر بڑھ گیا۔ اور ابو مسلم خراسانی امام کی طرف سے امیر ہو کر آیا تو اس نے قوت سے کام لینا شروع کیا۔

دور اول

سنہ ۱۰۰ھ سے سنہ ۱۲۸ھ تک۔

سنہ ۱۰۰ھ سے ان داعیوں نے خراسان میں اپنی تبلیغ شروع کی۔ ظاہر میں سوداگروں کے بھیس میں گھومتے تھے اور خفیہ طور پر لوگوں کو امامت اہل بیت کی تلقین کرتے تھے۔ اور وہاں سے اپنی کارروائیوں کی کیفیت کوفہ میں بھیجتے تھے۔ قائم کوفہ ان کو حمیمہ میں امام کے پاس ارسال کرتا تھا۔

نیز ہر سال مکہ میں حج کے موقع پر ان میں سے کچھ لوگ جاتے تھے۔ اور وہاں امام سے مل کر اس کو مفصّل حالات سے آگاہ کرتے تھے۔ اور ہدایتیں اور احکامات لے کر پھر واپس آتے تھے۔ اس طرح پر خراسان سے حمیمہ تک تعلقات قائم تھے۔ امام کا حمیمہ میں قیام ان کارروائیوں کے اخفا میں بہت ممد اور مفید تھا۔ علاوہ بریں دارالخلافہ کے قرب کی وجہ سے وہ وہاں کے حالات سے بھی اچھی طرح باخبر رہتے تھے۔

سنہ ۱۰۲ھ میں امیر خراسان سعید خذینہ کو ایک تمیمی شخص نے اطلاع دی کہ اس دیار میں بعض لوگ اس قسم کے پائے جاتے ہیں جو امامت اہل بیت کی بیعت لیتے ہیں۔ سعید نے ان کا پتہ لگا کر ان کو بلایا اور پوچھا کہ یہ تم کس قسم کی باتیں یہاں پھیلاتے ہو۔ کیا تم اہل بیت کی طرف سے داعی ہو کر آئے ہو؟

ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تو سوداگر ہیں۔ ہم کو دعوت اور تبلیغ سے کیا تعلق۔ اس نے

کہا کہ تم کو یہاں اگر کوئی شخص پہچانتا ہو تو اس کو لاؤ۔ وہ ربیعہ اور یمن کے چند اشخاص کو لے گئے۔ جنھوں نے یہ کہا کہ ہم انکو جانتے ہیں اور ان کی طرف سے ضامن ہیں۔ یہ کوئی کام آپ کی منشا کے خلاف نہیں کریں گے۔ اسپر سعید نے انکو چھوڑ دیا۔

۱۰۵ھ میں اس جماعت میں بکیر بن ماہان شامل ہوگیا۔ جو دولت عباسیہ کا شیخ الشیوخ اور داعی اعظم سمجھا جاتا ہے۔ یہ چونکہ دولت مند آدمی تھا۔ اس لیے اس نے اپنی دولت سے اس تبلیغ میں قیمتی مدد پہنچائی۔

اسی دوران میں قائم کوفہ میسرہ کا انتقال ہوگیا۔ امام نے بکیر کو اس کی جگہ پر مقرر کیا۔

اسد بن عبداللہ قسری امیر خراسان کو ۱۰۷ھ میں ان داعیوں کے متعلق کچھ اطلاع ملی۔ اس نے ان میں سے ایک جماعت کو گرفتار کیا جس میں ابو عکرمہ۔ ابو محمد صادق۔ محمد بن خنیس اور عمار عبادی وغیرہ تھے۔ اگرچہ اصل حقیقت سے وہ واقف نہ ہو سکا لیکن یہ یقین اسکو ضرور ہوگیا کہ یہ ایک سیاسی جماعت ہے جو موجودہ حکومت کی دشمن ہے۔ اس بنیاد پر ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ صرف عمار عبادی کسی طرح پر بچکر نکل گیا۔ اور کوفہ میں پہنچکر بکیر بن ماہان قائم بالامر کو اس اندوہناک سانحہ کی اطلاع دی۔ اس نے امام کو لکھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ

> اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس دعوت حق میں چند جانوں کی قربانیاں قبول فرمائیں۔ ابھی کچھ جانیں اور بھی ہیں جو اس راہ میں نثار ہوں گی۔

عمار عبادی پھر خراسان آیا۔ وہاں دوبارہ اسد کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ اور زندہ نہیں بچ سکا۔

اسد اس جماعت کے لیے اس قدر سخت تھا کہ ان میں سے جس کو پا لیتا تھا زندہ نہیں

چھوڑتا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں یہ تحریک بہت دبی رہی۔ سنہ ۱۰۹ھ میں جب وہ معزول کر دیا گیا تو نقیبوں کو پھر تبلیغ کا موقع ملا۔ لیکن سنہ ۱۱۶ھ میں وہ دوبارہ وہاں کا امیر ہو کر آیا۔ اس نے اس جماعت کے ساتھ پھر وہی سختی شروع کی۔ اور ان میں سے بعضوں کو قتل اور بعضوں کو قید کیا۔

ایک بار سلیمان بن کثیر۔ مالک بن ہیثم۔ موسیٰ بن کعب۔ لاہز بن قریظ۔ خالد بن ابراہیم اور طلحہ بن زریق وغیرہ اس کی گرفت میں آ گئے۔ لیکن اس زمانہ میں اہل یمن اور مضر میں قومی عصبیت خراسان میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ان نقیبوں نے اس سے کہا کہ ہم لوگ آپ کے ہم قوم ہیں۔ اہل مضر نے محض عصبیت کی وجہ سے یہ اتہام ہمارے اوپر لگایا ہے تاکہ وہ آپ کے ہاتھ سے ہم کو قتل کرا دیں۔ ہمارا کام سوداگری ہے امامت کی تلقین و تبلیغ سے ہم کو کیا واسطہ۔

اس تدبیر سے انھوں نے اسد کی ہمدردی حاصل کر لی اور سب کے سب چھوٹ گئے۔

سنہ ۱۲۰ھ میں اسد انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس جماعت نے بے خوف ہو کر اس تحریک کو پھیلایا۔

ادھر دو سبب اور بھی پیدا ہو گئے جن سے اس جماعت کو اپنے مقصد کی تکمیل کا موقع مل گیا۔

پہلا سبب

خاندان بنی امیہ میں باہمی نزاع پیدا ہو گئی۔ اس کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ سنہ ۱۲۵ھ میں جب ولید ثانی خلیفہ ہوا اور اس نے لوگوں پر ناجائز سختیاں کرنی شروع کیں تو اس کے چچا زاد بھائی یزید نے اس کے اوپر مختلف قسم کے الزامات لگا کر اس کو مطعون کرنا شروع کیا۔ چونکہ وہ زاہد و عابد تھا اس لیے لوگوں کو اس کی باتوں پر یقین آ گیا۔ چنانچہ ایک جماعت اس کے ساتھ ہو گئی۔ اس نے اس کی مدد سے ولید کو قتل کر کے تخت خلافت پر قبضہ کر لیا۔

یہ دیکھ کر امرا بنی امیہ نے شام کے مختلف اضلاع سے فوجیں لے لے کر ولید کے قصاص کے لیے یزید پر چڑھائی کی۔ اور بڑی بڑی خونریز لڑائیاں پیش آئیں۔ یزید اسی درمیان میں انتقال کر گیا۔ اور اس کی بجائے اس کا بھائی **ابراہیم** خلیفہ ہو گیا۔ **مروان** بن محمد نے جو خاندان بنی اُمیہ کا رکن اعظم اور جزیرہ و آرمینیہ کا امیر تھا۔ اور ایک طاقتور فوج اس کے پاس تھی ابراہیم کی خلافت پر رضامند نہیں ہوا۔ اور دمشق پر چڑھائی کی۔ ابراہیم خوف سے بھاگ گیا اور مروان نے اپنی خلافت کی بیعت لی۔

ان باہمی جنگوں کی وجہ سے بنی امیہ میں اتحاد باقی نہیں رہا۔ اور ان کی قوت اور شوکت گھٹ گئی۔

دوسرا سبب

خراسان میں عربی قبائل کے جو لوگ تھے اُن میں جاہلانہ عصبیت پیدا ہو گئی۔

اسد بن عبداللہ قسری جب وہاں امیر ہوا تو اُس نے قومی حمیت کی وجہ سے یمنی عربوں کی جن کی تعداد وہاں زیادہ تھی طرفداری کی اور نزاری عربوں سے عداوت اور نفرت کا اظہار کیا۔ اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیا۔

اسد کے بعد وہاں کا امیر **نصر** بن سیار ہوا جو مضر کے قبیلہ بنی کنانہ سے تھا۔ اس نے نزاریوں کی حمایت کی۔ اس لیے وہاں عربوں کے دو فریق ہو گئے۔ نزاری اور یمنی نزاریوں کا پشت پناہ خود امیر نصر بن سیار تھا۔ اور یمنیوں کا سردار **جدیع** بن شبیب تھا جو کرمانی کے نام سے مشہور تھا۔ کیونکہ اس کی ولادت کرمان میں ہوئی تھی۔

نصر اور کرمانی میں پہلے نہایت گہری دوستی تھی۔ لیکن اس قبائلی عصبیت نے باہم مخالفت ڈال دی۔

نزاریوں میں بھی دو فریق تھے - ایک ربیعہ - دوسرا مضر - اہل ربیعہ زیادہ تر شیبان بن سلمہ حروری خارجی کے ساتھ تھے جو بنی امیہ کی خلافت کو نہیں تسلیم کرتا تھا - اور اپنی الگ ایک جماعت بنائے ہوئے لوگوں کو کتاب و سنت پر عمل کرنے کی دعوت دیتا تھا -

اس قومی عصبیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصر اور کرمانی میں باہم جنگ ہوئی - نصر نے شکست کھائی - اور مرو کو جو خراسان کا صدر مقام ہی چھوڑ کر نکل گیا - کرمانی نے مضری عربوں کے مکانات تک کھدوا دیے -

اسی زمانہ میں امام محمد بن علی نے حمیمہ میں وفات پائی - ان کے جانشیں ان کے بیٹے ابراہیم ہوئے - نیز بکیر بن ماہان قائم کوفہ نے بھی انتقال کیا - اس کی جگہ پر اس کا داماد ابوسلمہ خلال حفص بن سلیمان جو بنی حارث کے موالی میں سے تھا مقرر کیا گیا -

امام ابراہیم کے یہاں ایک نہایت حوصلہ مند صاحب عزم و ہمت نوجوان ابو مسلم خراسانی تھا - یہ پہلے عیسےٰ بن معقل کا غلام تھا - اس کے ہاتھ سے بکیر بن ماہان نے خرید لیا اور تشیع کے اصول تلقین کرکے ۱۲۵ھ میں حمیمہ میں امام محمد کے پاس اس کو بھیجدیا - ان کے انتقال کے بعد یہ امام ابراہیم کے پاس رہا -

امام ابراہیم نے صیغۂ تبلیغ کو اپنے باپ سے بھی زیادہ توجہ اور تن دہی کے ساتھ جاری رکھا - اُنھوں نے یہ دیکھا کہ اِدھر امرا بنی امیہ خانہ جنگی میں مبتلا ہیں اُدھر مشرق میں قبائل عربیہ میں منافرت ہی - لہذا اب وقت آگیا کہ میدان عمل میں قوت سے کام لیا جائے - اس لیے ابومسلم کو جسمیں غیر معمولی ہمت اور عالی حوصلگی کے آثار تھے اُنھوں نے خراسان میں بھیجا - اور اپنی جماعت کو لکھا کہ اس کو میں تمھارا امیر بنا کر بھیجتا ہوں اس کی اطاعت کرو

خود ابو مسلم کو یہ وصیت کی۔

دیکھو! تم خاص ہمارے گھر کے آدمی ہو۔ ہماری باتوں کو یاد رکھنا۔ اور انھیں کے مطابق عمل کرنا۔ وہاں پہنچکر اہل یمن کی تعظیم و تکریم کر کے ان کو اپنے ساتھ ملا لینا۔ کیونکہ بلا اُن کے ملائے ہوئے کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ربیعہ پر ہرگز اعتماد نہ کرنا۔ اور مضر کو جانی دشمن سمجھنا۔ اگر تم سے یہ ہو سکے کہ خراسان میں کوئی عربی بولنے والا باقی نہ چھوڑو تو اس میں دریغ نہ کرنا۔

اگر کسی شخص پر تم کو کسی قسم کا شک ہو یا شبہ پڑ جائے تو اس کو قتل کر دینا۔ اور جس معاملہ میں دشواری پیش آئے اُس میں شیخ النقباء سلیمان بن کثیر سے مدد لینا۔ اس کو میرا قائم مقام سمجھنا۔ اور اسکی مخالفت نہ کرنا۔

اہل یمن کی حمایت کی اس لیے وصیت کی تھی کہ وہ بوجہ قومی عصبیت کے خلافت بنی امیہ کے دشمن تھے۔ بخلاف مضر کے کہ وہ اس کے حامی تھے۔ لیکن باوجود اس کے یہ بھی کہدیا تھا کہ اگر ہو سکے تو مضری اور یمنی سب کا خاتمہ کر دینا۔ کیونکہ ان کو اہل عرب پر اس قدر اعتماد نہ تھا جسقدر کہ خراسانیوں پر تھا۔

ابو مسلم ۱۲۸ھ میں وہاں پہنچا۔ عربوں کی باہمی عداوت کی وجہ سے موقع پاکر ایک سال تک اس نے اپنا حلقۂ اثر بڑھایا۔ اس کے بعد امام کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ لیکن جب قومس میں پہنچا تو وہاں اس کو امام کا فرمان ملا کہ میں تمھارے پاس یہ علم جس کا نام النصر ہے بھیجتا ہوں۔ تم اس کو لے کر خراسان میں واپس جاؤ۔ اور جو تحائف میرے لیے لائے ہو اس کو قحطبہ کے ہاتھ بھیجدو۔ وہ مجھ سے حج کے موسم میں مکہ میں آکر ملے۔

ابو مسلم اس حکم کے مطابق واپس چلا آیا۔ اور اب اُس نے اعلان دعوت اور قوت سے کام لینے کی تیاری شروع کی۔

دورِ ثانی

۱۲۹ھ سے ۱۳۲ھ تک

ابومسلم نے مرو کے متصل ایک گاؤں سفید نج میں قیام کیا۔ وہاں سے خراسان میں ہر جگہ اپنے داعیوں کو بھیجا۔ رمضان ۱۲۹ھ میں جابجا سے ان لوگوں کو طلب کیا جو امامت اہلبیت کی بیعت کر چکے تھے۔ وہ سب آکر فراہم ہوئے۔ اس نے دو علم **ظل** اور **سحاب** جو امام وقت کی طرف سے اُس کو موصول ہوئے تھے امامت کی حمایت کیلیے کھڑے کیے۔ اپنی جماعت کو عباسی شعار کے مطابق سیاہ لباس پہننے کا حکم دیا۔ اور ان کو اسلحہ اور ساز و سامان دیگر جنگ کے لیے تیار کیا۔

سب سے پہلے **نصر بن سیار** والی خراسان کو ایک تہدید آمیز خط بھیجا۔ اس نے برہم ہوکر اپنے غلام **یزید** کے ہمراہ سواروں کا ایک دستہ اُس کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ **ابومسلم** نے **مالک بن ہثیم** کے ساتھ ایک فوج کو مقابلہ میں بڑھایا۔ فریقین میں ایک گاؤں کے متصل جس کا نام آلین تھا۔ معرکہ آرائی ہوئی۔ اس میں شیعہ غالب رہے۔ اس غلبہ کے بعد لوگ جوق در جوق ابومسلم کی جماعت میں شامل ہونے لگے۔ اور اس کی اسقدر تعداد بڑھ گئی کہ وہ عدم گنجائش کی وجہ سے سفید نج کو چھوڑ کر ایک بڑے قصبہ ماخوان میں جاکر ٹھہرا۔ اور اسکے ارد گرد خندق کھود کر فصیل بنا کر اس کو محفوظ کر لیا۔ سات ہزار آدمی ہر وقت اس کے ساتھ رہتے تھے۔

نصر بن سیار نے ابومسلم کی قوت کو بڑھتے ہوئے دیکھکر یہ چاہا کہ عربوں کو باہم متحد کر لے

چنانچہ اس نے ربیعہ کے سردار **شیبان** کو لکھا کہ ہم اور تم اگرچہ باہم اختلاف رکھتے ہیں لیکن یہ جدید جماعت ہم دونوں کی دشمن ہے لہٰذا اس کے مقابلہ کے لیے تم میرے ساتھ متحد ہو جاؤ۔ **شیبان** کی بھی خواہش ہوئی کہ وہ نصر کے ساتھ مصالحت کر لے۔ اسی درمیان میں نصر نے کرمانی کو بھی بلایا۔ لیکن وہ موافقت پر راضی نہیں ہوا اس لیے اس کو قتل کرا دیا۔ کرمانی کا بیٹا **علی** اہل یمن کے ساتھ اپنے باپ کے خون کے مطالبہ کے لیے اٹھا۔ ابو مسلم نے جو اسی تاک میں لگا تھا علی کے پاس پیغام بھیجا کہ میں جانتا ہوں کہ تم مظلوم ہو اور اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتے ہو۔ اس لیے جسطرح ممکن ہو شیبان کو نصر کی مصالحت سے روکو ورنہ تم قصاص نہیں حاصل کر سکو گے۔ **علی** نے شیبان سے مل کر اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھا۔ نصر کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے شیبان کو لکھا کہ تم سخت دھوکے میں آ گئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ شورش جو اٹھ رہی ہے اسقدر عظیم الشان ہے کہ اس کے مقابلہ میں میں تمھارے لیے کچھ نہیں ہوں۔

شیبان نے بھی سوچا۔ اور اس فتنہ کو بڑھتا ہوا دیکھ کر نصر کے ساتھ ایک سال کیلیے صلح کر لی۔ ابو مسلم نے علی کو باپ کے خون کے انتقام پر اکسایا۔ اس نے شیبان سے مدد مانگی۔ وہ چونکہ صلح کر چکا تھا اس لیے نصر کے مقابلہ میں مدد نہیں دے سکا۔ اب مجبور ہو کر علی نے ابو مسلم سے امداد کی درخواست کی۔ اس کا تو یہ عین مقصد تھا لکھ بھیجا کہ میں اپنی پوری قوت سے تمھارے ساتھ ہوں۔ نصر کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ابو مسلم کے پاس معاہدہ کے لیے ایک وفد بھیجا۔ شیبان کی طرف سے بھی ایک جماعت گئی۔ اور یمنی بھی پہنچے۔ یہ تینوں وفود ایک ساتھ ماخوان میں داخل ہوئے۔

ابو مسلم نے اہل یمن اور ربیعہ کے ساتھ مصالحت کر لی۔ لیکن اہل مضر کی نسبت کہا کہ یہ مروان کے عمال اور ائمہ اہل بیت کے قاتل ہیں۔ میں ان سے کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں سمجھتا۔

مضری مایوس اور رنجیدہ وہاں سے پلٹے اور اہل یمن اور ربیعہ خوش خوش واپس ہوئے۔ لیکن ان کی تقدیر ان کے اوپر ماتم کر رہی تھی۔

ابومسلم نے قبائل عربیہ میں جب کہ وہ متحد ہو جانے والے تھے تفرقہ ڈال کر اپنی کامیابی کے لیے راستہ صاف کر لیا۔ جمادی الاول سنہ ۱۳۰ ہجری میں اس نے علی کو لکھا کہ تم نصر کے اوپر حملہ کرو۔ میں مدد کے لیے آتا ہوں۔ لیکن چونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ تم کو اپنے ساتھ ملا کر میرے مقابلہ میں نہ لائے اس لیے پہلے تم اُس طرف سے مرو میں داخل ہو کر اس کے ساتھ جنگ شروع کرو۔ پھر میں اِس طرف سے داخل ہونگا۔ علی نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ابومسلم جس وقت مرو میں داخل ہوا اسوقت نصر اور علی کی فوجوں میں نہایت سخت جنگ ہو رہی تھی اُس نے یہ آیت پڑھی۔

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلٰى حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا وہ شہر میں داخل ہوا جسوقت کہ وہاں کے باشندے بےخبر فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هٰذَا مِنْ تھے۔ اس میں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک اسکے شِيعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ط ساتھیوں میں سے تھا۔ دوسرا ایک اسکے دشمنوں سے۔

اس نے فوراً دونوں کو جنگ سے روکدیا۔ اور خود دارالامارہ پر قبضہ کر لیا۔ نصر وہاں سے روپوش ہو کر بھاگ گیا۔

مرو اب ابومسلم کے قبضہ میں تھا۔ اس نے وہاں کے لوگوں سے بیعت لی۔ اور جتنے مضری ملے ان سب کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد شیبان کے پاس کہلا بھیجا کہ آکر بیعت کرو اُسنے انکار کیا۔ اور مرو کو چھوڑ سرخس کی طرف نکل گیا۔ ابومسلم نے اس کے تعاقب میں ایک فوج بھیجی جس نے اس کو مع اس کے تمام ساتھیوں کے تہ تیغ کر ڈالا۔

کرمانی کے دونوں بیٹوں علی اور عثمان نیز دوسرے یمنی سرداروں کو بھی ابومسلم نے

گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اب سارا خراسان اس کے قبضہ میں آگیا۔ اس نے وہاں ہر شہر
اپنے عمال بھیجے۔ اور صوبہ کا انتظام کر کے اس کو اپنے قابو میں کیا۔

نصر کے پیچھے **قحطبہ** میں **شبیب طائی** کو ایک فوج گراں دے کر روانہ کیا۔ وہ شہر بہ شہر اس کا تعاقب کرتا ہوا چلا جاتا تھا۔ نصر رستہ میں بیمار رہوا اور ساوہ میں پہنچکر انتقال کر گیا
قحطبہ نے رے پر قبضہ کیا۔ اور اپنے بیٹے **حسن** کو ہمدان کی طرف بھیجا۔ اس نے وہاں سے نہاوند۔ شہرزور اور موصل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ قحطبہ بھی وہاں آگیا۔ اور اب اس نے حسن کو ساتھ لے کر عراق کی طرف پیشقدمی کی۔ **مروان** کی طرف سے **یزید بن عمرو بن ہبیرہ** وہاں کا امیر تھا۔ اس نے کوفہ سے ۲۲ میل کے فاصلہ پر نکل کر دریائے فرات کے مغربی ساحل پر مقابلہ کیا۔ کئی دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ اسی اثنا میں قحطبہ نے وفات پائی۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا حسن امیر الجیش ہوا۔ وہ مرتے وقت یہ وصیت کر گیا کہ جب تم کوفہ میں پہنچنا تو تمام معاملات کو وہاں کے قائم بالامر **ابو سلمہ** خلال کے سپرد کر دینا۔ اور اس کی اطاعت کرنا۔ کیونکہ وہ **وزیر آل محمدؐ** ہے۔

ابن ہبیرہ نے متعدد لڑائیوں کے بعد شکست کھائی۔ اور واسط کی طرف بھاگ گیا
حسن فوج کے ساتھ محرم ۱۳۲ھ میں کوفہ میں داخل ہوا۔ اور اپنے باپ کی وصیت کے مطابق امارت ابوسلمہ کے حوالہ کر دی۔ اس نے **حسن** کو مع چند دیگر رؤساء فوج کے واسط کی طرف ابن ہبیرہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ نیز حمید بن قحطبہ کو مدائن **مسیب** بن زہیر اور خالد بن برمک کو دیر قنی **مہلبی** اور **شراحیل** کو عین التمر اور بسام کو اہواز کی طرف فوجیں دے کر بھیجا۔

ادھر خراسان اور عراق میں یہ تمام کارروائیاں ہو رہی تھیں ادھر امرائے بنی امیہ شام

حجاز میں باہمی منازعت میں مشغول تھے۔

انکشاف حقیقت

اس مدت مدید میں جو کچھ شیعہ کرتے رہے خلفاء بنی امیہ اس سے مطلقاً بے خبر رہے۔ کیونکہ اس راز کو سوائے نقباء اور خواص شیعہ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ امام وقت کون ہے۔ عوام سے صرف اہل بیت کی حمایت کی بیعت لی جاتی تھی۔ کسی کا نام ظاہر نہیں کیا جاتا تھا۔ آخر میں امام ابراہیم کا ایک خط جو انھوں نے ابو مسلم کے نام روانہ کیا تھا اور جس میں یہ لکھا تھا کہ خراسان میں جتنے عرب ہیں اُن سب کو قتل کردو خلیفہ مروان کے ہاتھ لگا۔ اس نے اُسیوقت اُن کو حمیمہ سے گرفتار کرا کے حرّان میں قید کر دیا۔ وہ اُسی قید میں مرے۔ گرفتاری کے وقت اپنے بھائی ابو العباس سفاح کو اپنا وصی مقرر کر کے اپنے متعلقین کو یہ حکم دے گئے تھے کہ تم ان کی اطاعت کرنا۔ ابو سلمہ خلال نے امام ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ان کے سارے خاندان کو لا کر کوفہ میں ایک مکان میں اُتارا۔ اُن کا حال اپنی جماعت سے بھی مخفی رکھا اور خود کوفہ سے باہر تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا۔

حسن نے جب عراق کو فتح کر کے تمام اختیارات اس کے سپرد کر دیے تو اُس کی یہ خواہش ہوئی کہ امامت کو بنی عباس میں سے بنی فاطمہ میں منتقل کرے۔ اسوقت اُن میں سے تین شخص ممتاز تھے۔ امام جعفر صادق۔ عبد اللہ المحض بن حسن بن حسن اور عمر اشرف بن زین العابدین۔ سب سے پہلے اس نے امام جعفر صادق کو لکھا کہ آپ امامت قبول فرمائیں۔ ان کو قاصد نے جسوقت یہ خط لیجا کر دیا انھوں نے کہا کہ ابو سلمہ ہمارا شیعہ نہیں ہے۔ اس سے ہم کو کیا تعلق۔ قاصد نے کہا کہ خط پڑھ لیجیے۔ انھوں نے چراغ کو قریب کر کے اس کی لو پر خط کو رکھ کر جلا دیا۔ اور کہا کہ یہی اس کا جواب ہے۔

جب اُن سے مایوسی ہوئی تو عبداللہ کو لکھا۔ وہ اس خط کو پڑھ کر فوراً مشورہ کے لیے امام جعفر کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا کہ اہل خراسان تمھارے شیعہ کب تھے۔ کیا تم نے ابو مسلم کو وہاں یہ بھیجا تھا۔ کیا تم اُن میں سے کسی کے نام یا صورت سے بھی آشنا ہو۔ ان باطل آرزوؤں میں نہ پڑو۔ پہلے یہ پیغام میرے ہی پاس آیا تھا۔ میں نے اس کو رد کر دیا۔ یہ سنکر وہ بھی خاموش ہو رہے۔ اور کچھ جواب نہیں دیا۔

آخر میں اس نے عمر اشرف کو لکھا۔ اُنھوں نے کہا کہ میں اس خط کے لکھنے والے کو نہیں جانتا اس لیے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

شیعہ بنی عباس میں سے بعض رؤسا کو **ابو سلمہ** کی اس مخفی کارروائی کا علم ہو گیا۔ اس لیے اُنھوں نے عجلت کی اور آکر ابوالعباس **سفاح** کو خلافت کا سلام کہا۔ ابوسلمہ نے بھی ان کی تقلید کی۔ لیکن ابوالعباس کے دل میں اس کی طرف سے یہ کینہ بیٹھ گیا۔ اور اس کا جو نتیجہ ہوا وہ آگے آئیگا۔

اعلانِ خلافت

ابوالعباس نے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو جامع کوفہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ خطبہ میں حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنی قرابت رسولؐ پر فخر کیا۔ اس کے بعد بنی امیہ کے ظلم و ستم کا حال بیان کر کے کہا کہ

> ہم اہل خیر و صلاح ہیں۔ ہم سے ظلم و فساد کا اندیشہ نہیں ہے۔ اے اہل کوفہ! تم ہمیشہ سے ہمارے محب رہے اس راہ میں تم نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں اور سخت سے سخت ظلم سہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم کو ہمارا زمانہ مل گیا۔ اور اس دولت کی سعادت حاصل ہوگئی۔ میں تمھاری تنخواہوں میں سو سو درہم کا اضافہ کرتا ہوں۔ اور تمھاری خوش نصیبی پر مسرور رہوں۔

ابوالعباس سفاح کو اس وقت شدت کا بخار تھا۔ یہ کہکر وہ بیٹھ گیا۔ اس کا چچا داؤد بن علی جو نہایت زباں آور تھا منبر پر اس کے بازو میں کھڑا ہو گیا۔ اور بلند آواز سے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

ہم نے اس خلافت کی کوشش زر و جواہر جمع کرنے کے لیے نہیں کی ہے۔ نہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ عالی شان محلات اور باغات بنوائیں اور ان میں نہریں جاری کریں۔ بلکہ ہم نے دیکھا کہ ہمارے حقوق ہضم کیے جا رہے تھے۔ ہمارے بنی اعمام کی تحقیر کی جاتی تھی۔ رعایا کے اوپر مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ اور ان کے مال پر دست درازیاں روا رکھی جاتی تھیں۔ ان امور کو ہم برداشت نہیں کر سکے۔

اب اللہ رسولؐ اور ان کے عم محترم عباس کا ذمہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کتاب و سنت کے مطابق برتاؤ کریں گے۔ اور وہی طریقہ رکھیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

اس کے بعد کوفیوں کی بہت مدح سرائی کی۔ کہ انھوں نے اہل بیت کی حمایت و نصرت میں بہت کچھ قربانیاں کیں۔ پھر ان کو امیدیں دلائیں۔ آخر میں کہا کہ

یہ یاد رکھو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اس منبر پر بجز حضرت علی اور اس کے (سفاح کی طرف اشارہ کرکے) کوئی خلیفہ برحق نہیں بیٹھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ خلافت برابر ہمارے ہاتھ میں رہے گی۔ اور ہمیں اس کو آخری زمانہ میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے سپرد کرینگے۔

ان دونوں تقریروں کے بعد سفاح اٹھکر قصر امارت میں چلا گیا۔ اور اس کے بھائی ابو جعفر منصور نے لوگوں سے اس کی خلافت کی بیعت لی۔

خاتمہ بنی امیہ

بیعت خلافت کے بعد سب سے اہم معاملہ خلیفہ **مروان** کا استیصال تھا جو ایک لاکھ بیس ہزار فوج لیے ہوئے جزیرہ میں تھا۔ **سفاح** نے اپنے چچا **عبداللہ** کی ماتحتی میں ایک لشکر گراں اُس کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ دجلہ کی ایک شاخ دریائے زاب کے کنارے پر فریقین میں سخت جنگ ہوئی۔ آخر میں عبداللہ فتحیاب ہوا۔ اور مروان کا لشکر جس میں منتخب اہل شام تھے اس کا تابع فرمان ہو گیا۔ مروان بھاگ کر حرّان میں آگیا جہاں اس کا بھتیجا **ابان** عامل تھا عبداللہ اس کے تعاقب میں گیا۔ ابان نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ عبداللہ نے اس کو امان دی۔ مروان وہاں سے نکل کر قنسرین چلا گیا۔ عبداللہ بھی اس طرف بڑھا۔ وہ قنسرین سے حمص اور وہاں سے دمشق کی طرف بھاگا۔ عبداللہ نے پہنچکر دمشق کو فتح کیا۔ اور وہاں کے امیر **ولید** بن معاویہ کو قتل کر ڈالا۔ مروان اردن اور فلسطین ہوتا ہوا مصر میں نکل گیا۔ اور وہاں کے ایک گاؤں بوصیر کے کنیسہ میں پناہ گزیں ہوا۔ عبداللہ نے اُس کے پیچھے **صالح** بن علی کو ایک دستہ فوج کے ساتھ بھیجا تھا۔ اُس نے بوصیر میں پہنچکر ۲۸ ذی حجہ ۱۳۲ھ میں مروان کو قتل کیا۔ اس کے قتل سے بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

واسط میں **ابن ہبیرہ** کے پاس بھی ایک قوی فوج تھی حسن بن قحطبہ جب وہاں فوجیں لیکر پہنچا تو وہ قلعہ گیر ہو گیا۔ حسن نے گیارہ مہینہ تک محاصرہ رکھا۔ جب مروان کے قتل کی خبر پہنچی تو ابن ہبیرہ نے صلح کی درخواست کی۔ سفیروں کی آمد و رفت کے بعد ابو جعفر منصور نے اُس کو امان دی۔ وہ حاضر ہو گیا۔ اور عہد نامہ لکھا گیا۔ لیکن اسی درمیان میں ابو مسلم کا خط پہنچا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ ابن ہبیرہ کا باقی رکھنا مصلحت کے خلاف ہی۔ اس وجہ سے ابو جعفر نے اُسکو مع اُسکے تمام ساتھیوں کے قتل کر دیا۔ حالانکہ ابھی امان نامہ کی روشنائی بھی خشک نہیں

ہونے پائی تھی۔

خلافت عباسیہ

اس دولت کو شیعہ نے دینی عقیدت کے نام سے قائم کیا۔ عوام کے قلوب پر وہ یہ کہکر اثر ڈالتے تھے کہ امامت آل محمد صلعم کا حق ہے انھیں کو ملنی چاہیے۔ اور آل مروان جنھوں نے اس کو غصب کر رکھا ہے کسی طرح پر اس کے مستحق نہیں ہیں۔ ان دعاۃ نے بنی اُمیہ کے متعلق سیکڑوں قسم کے عیوب مشہور کیے۔ اور اُن کی مذمت میں بہت سی موضوع اور جھوٹی حدیثیں لوگوں میں پھیلائیں۔

دعوت امامت کے لیے خاص وجوہات کی بنا پر جنکو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کوفہ اور خراسان کا انتخاب کیا گیا تاکہ یہاں کے باشندوں کو آل محمدؐ کی حمایت کے لیے مستعد کرکے ایک قوت تیار کی جائے۔ جو آل مروان کے مقابلہ میں ہر وقت ضرورت عقیدت مندی کے ساتھ امامت اہل بیت کے قیام میں امداد کرے۔

چنانچہ اہل خراسان کے دلوں میں یہ تخم بو دیا گیا کہ بنی اُمیہ سے جنگ کرنا اور خلافت کو اُن سے چھین کر اہل بیت کو دلاتا ایک مقدس فرض ہے۔ وہاں جو عرب تھے اُن میں چونکہ یہ عقیدت نہیں تھی اس لیے امام نے ابو مسلم کو یہ وصیت کی تھی کہ اگر تم سے ہو سکے تو کسی عربی بولنے والی زبان کو وہاں باقی نہ چھوڑنا۔ یہ ایسی وصیت تھی جس میں صرف اپنے فوری مفاد کا خیال پیش نظر رکھا گیا تھا۔ ورنہ دین اور عقل دونوں کے خلاف تھی۔

اہل عجم جنکی سلطنت قدیم سے دنیا کی سب سے عظیم الشان دولت تھی عہد بنی امیہ اپنے آپ کو عرب کا غلام دیکھ کر اس نئی سازش میں شریک ہو گئے۔ اور انھوں نے چاہا کہ خلافت

کے منتقل کرنے میں ہم مدد کریں تاکہ اس انقلاب میں حکومت میں ہم کو بھی حصہ مل جائے۔ اس لیے یہ نزاع اگرچہ بظاہر بنی عباس اور بنی امیہ کی تھی لیکن درحقیقت عرب و عجم کی تھی۔ لیکن درحقیقت غرض عجم کی تھی اس دولت کی تعمیر میں خون ناحق بہت بہایا گیا۔ امام نے ابو مسلم کو وصیت کردی تھی کہ جس کے بارے میں تم کو شبہ ہو اس کو قتل کر دینا۔ ظاہر ہے کہ خراسان میں ایک جماعت کثیر اس کے جھنڈے کے نیچے آئی۔ حزم و احتیاط کے لحاظ سے اس کو بہت سے لوگوں پر شک کرنا لازمی تھا۔ وہ اس وصیت کے مطابق ایسے لوگوں کو بے دریغ تہ تیغ کر دیتا تھا۔ یہانتک کہ عرب و عجم میں سے اُس نے جسقدر آدمیوں کو قتل کیا اُن کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ شمار کی گئی ہے۔

عرب زمانۂ جاہلیت سے وفا عہد میں ممتاز تھے۔ اور اسلام نے تو خاص طور پر اس کی تاکید کی۔ لیکن بانیانِ دولت عباسیہ نے اس صفت کو بھی اپنی سیاسیات میں نظر انداز کر دیا۔ جو لوگ ان کے اوپر اعتماد کرتے تھے اُن کے ساتھ بھی یہ اپنی ضرورت کے موقع پر غداری کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بدعہدی اور بیوفائی خلفاء عباسیہ میں سلسلہ بسلسلہ چلی آئی۔ اور محمد بن علی طباطبائی کو اپنی کتاب الفخری میں لکھنا پڑا کہ

> دولت عباسیہ کا شیوہ مکر۔ چالاکی اور غداری تھا۔ اور قوت و طاقت کی بہ نسبت اس کی سیاسیات میں بدعہدی و فریب کا جز غالب رہا۔

ممالک اسلامیہ

وہ خلافت جس کی بنیاد عرب کے باہر حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی۔ اور جس کو حضرت عمرؓ اور عثمانؓ نے بڑھا کر اسوقت دنیا کی سب سے قوی تریں دولت بنایا۔ پھر بنی امیہ نے اس کے حدود مشرق

اور مغرب میں وسیع کیے بنی عباس کے قبضہ میں آئی - اس موقع پر اس کا ایک مجمل خاکہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے - تاکہ آیندہ یہ اچھی طرح سمجھ میں آسکے کہ اس اسلامی امانت اور وراثت کو انھوں نے کس طرح رکھا -

اس سلطنت کا طول کاشغر سے سوس اقصےٰ تک جو ساحل بحر ظلمات پر واقع ہے مقدسی کے بیان کے مطابق ۲۶۰۰ فرسخ تھا - اور عرض بحیرۂ قزوین سے نوبیا تک - اس میں بڑے بڑے ممالک شامل تھے جنمیں متعدد ولایات تھیں - ان کی تفصیل یہ ہے -

(۱) جزیرۃ العرب

اس میں چار ولایات تھیں

(۱) حجاز - اس کا صدر مقام مکہ تھا - طائف - طیبہ - ینبع جار اور جدہ وغیرہ اس کے ماتحت تھے -

(۲) یمن - دو حصوں میں منقسم تھا - ساحل بحر کی طرف کے حصہ کا نام تہامہ اور اس کا مرکز زبید تھا - اور کوہستانی حصہ کا نام نجد اور اُس کا مرکز صنعار تھا! احقاف بھی اسی میں شامل تھا جسمیں حضرموت اور مہرہ واقع ہیں -

(۳) عمان - اس کا صدر مقام صحار تھا جو ساحل بحر ہند پر ہے -

(۴) ہجر - اس کا مرکز شہر احصار تھا - اسی میں یمامہ داخل تھا جس کا سب سے بڑا بازار حجر تھا -

اب عمان اور ہجر میں خوارج اور یمن میں شیعہ زیدیہ کی آبادی زیادہ ہے - باقی حصوں کے

باشندے اہل سنت ہیں۔

(۲) عراق

ولایات ۶

(۱) **کوفہ**۔ اس کے ماتحت عین التمر اور قادسیہ وغیرہ تھے۔

(۲) **بصرہ**۔ ابلہ و عبادان تک اس کا رقبہ تھا۔

(۳) **واسط**۔ فم الصلح اس ولایت کا مشہور شہر تھا۔

(۴) **مدائن**۔ ساسانی پایہ تخت۔ نہروان اور جلولا، اس کے تابع تھے۔

(۵) **حلوان**۔ خانقین اور شروان اس میں واقع ہیں۔

(۶) **سامرا**۔ اس ولایت کے مشہور شہروں میں کرخ۔ عکبرا۔ انبار ہیت اور تکریت تھے۔

عراق کو قدیم زمانہ میں اقلیم بابل کہتے تھے۔ دونوں دریا دجلہ اور فرات اس میں واقع ہیں۔ عباسیوں نے اسی کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔ یہ حصہ اسوقت علوم وفنون کا مرکز عیش و عشرت کا گہوارہ۔ اور دنیا کے سیاحوں کے لیے تماشاگاہ بن گیا تھا۔ یہاں کے اصل باشندے نبطی عرب تھے۔

عراق کا طول ساحل بحر سے مقام سن تک ۱۲۵ فرسخ اور عرض عذیب سے حلوان تک ۸۰ فرسخ تھا۔

(۳) اقلیم جزیرہ

قدیم تاریخوں میں اس کا نام آقور۔ یا آثور یا آشور لکھا گیا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جو دجلہ اور

فرات کے مابین واقع ہے اس میں تین ولایات تھیں۔

(۱) **دیار ربیعہ**۔ اس کے مشہور مقامات میں سے حدیثہ۔ سنجار۔ نصیبین۔ دارا اور راس العین تھے۔

(۲) **دیار مضر**۔ اس کا صدر مقام رقہ تھا۔ اس میں باجروان۔ حران اور رہا واقع ہیں۔

(۳) **دیار بکر**۔ اس کا مرکز آمد تھا۔ میا فارقین اور حصن کیفا وغیرہ اسکے تابع تھے۔

جزیرہ میں اسلام سے قبل عدنانی قبائل آکر آباد ہو گئے تھے۔ انھیں کے نام سے ان حصوں کے نام رکھے گئے۔ اس کے حدود روم (ایشیائے کوچک) اور آرمینیہ سے جا کر ملتے ہیں۔

(۴) اقلیم شام

ولایات ۶

(۱) **قنسرین**۔ صدر مقام حلب تھا۔ انطاکیہ۔ بالس۔ سمیساط۔ منبج۔ مرعش۔ اسکندرونہ اور معرۃ النعمان اس کے تابع تھے۔

(۲) **حمص**۔ اس کے مشہور شہر سلمیہ۔ تدمر۔ لاذقیہ۔ اور انطرسوس تھے۔

(۳) **دمشق**۔ بانیاس۔ صیدا۔ بیروت وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔

(۴) **اردن**۔ اس کا صدر مقام طبریہ تھا۔ صور۔ عکا۔ بیسان۔ طرابلس اور اذرعات اس کے تابع تھے۔

(۵) **فلسطین** - اس کا مرکز رملہ تھا۔ بیت المقدس - عسقلان - یافہ - ارسوف - قیساریہ - اریحا - اور عمان اسی میں واقع ہیں۔

(۶) **شراۃ** - صدر مقام صغر تھا۔ مآب - عمان - تبوک - اور اذرح اسی میں شامل تھے

اسلام سے پہلے شام میں عرب پہنچ گئے تھے - عہد بنی امیہ میں یہ دولت اور شوکت کا مرکز تھا - کیونکہ ان کا پایہ تخت دمشق میں تھا - شمال میں اس کی سرحد روم سے ملتی ہے۔

(۵) مصر

ولایات ۷

(۱) **جفار** - اس کا مرکز فرما تھا - اسی حصہ میں بقارہ - وارده اور عریش شامل تھے۔

(۲) **حوف** - صدر مقام بلبیس تھا - مشتول اور رقاقوس اس کے ماتحت تھے۔

(۳) **ریف** - اس کا مرکز عباسیہ تھا - اس کے مشہور مقامات میں سے دمنہور۔ سنہور - سطنوف - ملیج - محلہ کبیرہ اور دقہلہ تھے۔

(۴) **اسکندریہ** - رشید - مربوط - برلس اور ذوات الحمام اس کے ماتحت تھے۔

(۵) **مقدونیہ** - اس کا مرکز فسطاط تھا - عزیزیہ - جیزہ - اور عین الشمس اس کے تابع تھے۔

(۶) **صعید** - اس کا صدر مقام اُسوان تھا - قوص - اخمیم - بلونا اور فیوم وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔

مصر کے قدیم باشندے قبطی تھے - اپنے اپنے عہد حکومت میں بہت سے یونانی اور رومی

بھی آکر آباد ہو گئے تھے۔ حوف میں چند عربی خاندان بھی سکونت گزیں تھے۔

جب اس کو مسلمانوں نے فتح کیا تو کثرت سے عرب وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ اور مفتوح قوموں میں رشتہ داریاں کر کے ان کو اپنے ساتھ مخلوط کر لیا۔ یہانتک کہ عہد عباسی میں یہاں کے لوگ بالعموم مسلمان ہو گئے۔ اور عربی زبان بولنے لگے۔

(۶) مغرب

ولایات

(۱) **برقہ**۔ اسی میں رمادہ اور طرابلس شامل تھے۔

(۲) **افریقیہ**۔ اس کا صدر مقام قیروان تھا۔ اسوقت اس کے مشہور مقامات میں سے سفاقس۔ سوسہ۔ تونس۔ بونہ۔ منتیر اور جزیرہ بنی زغنانہ تھے۔

(۳) **تاہرت**۔ اس کے تابع مطماطہ اور وہران تھے۔

(۴) **سجلماسہ**۔ درعہ۔ اصلی۔ اور تازرد اس میں شامل تھے۔

(۵) **فاس**۔ پہلے اس کا صدر مقام سوس ادنے تھا۔ عہد عباسیہ میں فاس آباد کیا گیا۔ اسی ولایت میں بصرہ۔ درعہ۔ صنہاجہ۔ ہوارہ اور سلا داخل تھے۔

(۶) **سوس اقصیٰ**۔ اس کا مرکز طرقانہ تھا۔ اس کے مشہور مقامات میں اغمات اور ماسہ تھے۔

(۷) **اندلس**۔ صدر مقام قرطبہ تھا۔

اندلس کے باشندے رومی۔ ونیز لغوط اور بربر تھے۔ اسلامی فتح کے بعد بھی پانچویں

صدی ہجری تک مسلمانوں کی تعداد وہاں زیادہ نہیں بڑھ سکی۔ اس کے بعد سے اُن کا شمار بڑھنا شروع ہوا۔

عباسیوں کی حکومت میں یہ ولایت نہیں رہ سکی۔

(۷) ماوراء النہر

ولایات ۶

یہ وہ خطہ ہی جو دریائے جیحون کے مشرق میں ہی۔ **بشاری** نے لکھا ہی کہ ماوراء النہر نہایت سیر حاصل اور زرخیز ملک ہی وہاں کے باشندے دیندار۔ علم کے شائق۔ شجاع اور تومند ہیں۔ جہاد سے نہیں تھکتے۔ تفریق سے دور اور اتحاد کے شیدائی ہیں۔ عفت۔ پاکیزگی اور مہماں نوازی میں مشہور ہیں۔

(۱) **فرغانہ**۔ اس کے ماتحت نصرآباد۔ اوزکند اور مرغینان وغیرہ تھے۔

(۲) **سبیجاب**۔ فاراب۔ ترار۔ طراز اور بلاسکون اسکے مشہور مقامات تھے۔

(۳) **شاش**۔ اس کا صدر مقام بنکث تھا۔

(۴) **اشروسنہ**۔ اس کا مرکز بنجکث تھا۔

(۵) **صغد**۔ سمرقند کے خطہ کا نام تھا۔

(۶) **بخارا**۔ بیکند وغیرہ اس کے تابع تھے۔

اس اقلیم کا سب سے بڑا دریا جیحوں ہی جس سے متعدد شاخیں نکلتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں چھ دریا اور بھی ہیں۔ جن کے کناروں پر بڑے بڑے شہر آباد ہیں۔ مثلاً ختل کا صدر

مقام ہلبک - تیر - کاث (خوارزم کا مرکز) جرجان - ترمذ - کالف نویدہ زم - خزبر اور آمل وغیرہ

(۸) خراسان

ولایات ۹

(۱) بلخ - اس کے ماتحت طخارستان تھا جسکے مشہور شہر لوایج اور طالقان ہیں۔

(۲) غزنیں - کابل اس کے تابع تھا۔

(۳) بست - بعض مورخ اس کو غزنیں کے ساتھ ملا کر ایک ولایت قرار دیتے ہیں اور اس کا نام کابلستان رکھتے ہیں۔

(۴) سجستان - یعنی سیستان - اس کا مرکز زرنج تھا۔

(۵) ہرات - بادغیس اسی میں شامل تھا۔

(۶) جوزجان - اس کا صدر مقام یہودیہ تھا۔

(۷) مرو شاہجہاں - اس کے تابع مرورود تھا۔

(۸) نیشاپور - بیہق - طوس - نسا اور ابیورد اس میں شامل تھے۔

(۹) قہستان - اس کا صدر مقام قائن تھا۔

اسلام ممالک میں خراسان سب سے زیادہ معمور اور شاداب تھا - یہیں کے باشندوں کی بدولت دولت عباسیہ قائم ہوئی - اسلامی علوم وفنون کے اہل کمال زیادہ تر اسی خطہ سے پیدا ہوئے۔

(۹) اقلیم دیلم

ولایات ۵

(۱) **قومس** - اس کا مرکز دامغان تھا۔ سمنان اور بطام وغیرہ اس کے تابع تھے۔

(۲) **جرجان** - اس کا صدر مقام شہرستان تھا۔ استرآباد اور آبسگوں اس کے ماتحت تھے۔

(۳) **طبرستان** - دارالامارہ آمل میں تھا۔ سالوس اور ساریہ بھی اسی میں شامل تھے۔

(۴) **دیلمان** - اس کا مرکز بروان تھا۔

(۵) **خزر** - اس کا صدر مقام بھی آتل ہی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے ممتاز مقامات میں سے بلغار اور سمندر تھے۔ دریائے آتل اسی کے رقبہ میں سے گذرتا تھا۔

عہد عباسیہ میں اس اقلیم میں اسلام کی اشاعت زیادہ ہوئی۔

(۱۰) رحاب

ولایات ۳

(۱) **اران** - اس کا صدر مقام بردعہ تھا۔ تفلیس۔ شروان۔ ملازکرد۔ اور باب الابواب اس کے ماتحت تھے۔

(۲) **آرمینیہ**۔ اس کا مرکز دبیل تھا۔ بدلیس۔ خلاط۔ خوے۔ سلماس۔ ارمیہ۔ مراغہ۔ مزند اور قالیقلا اسی میں شامل تھے۔

(۳) **آذربیجان**۔ اس کا امیر اردبیل میں رہتا تھا۔ تبریز اسی ولایت میں تھا۔ اس اقلیم کے اصلی باشندے کرد۔ ارمن اور ایرانی ہیں۔ اس میں سے دریائے کر اور رس گذرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی زیادہ تر عہد عباسی میں اسلام لائے۔

(۱۱) اقلیم الجبال

ولایات ۳

(۱) رے۔ آوہ۔ ساوہ۔ قزوین اور ابہر اس کے ماتحت تھے۔

(۲) ہمدان۔

(۳) اصفہان۔

(۱۲) خوزستان

ولایات ۷

(۱) **سوس**۔ عراق اور کوہستان کی سرحد پر ہے۔

(۲) **تستر**۔ (شوستر)

(۳) جندیساپور۔

(۴) عسکر مکرم۔
(۵) اہواز۔
(۶) دروق۔
(۷) رامہرمز۔

۱۳ فارس

ولایات ۶

(۱) ارجات
(۲) خرّہٗ اردشیر۔ اس کا صدر مقام سیراف تھا۔
(۳) دراجبرد۔
(۴) شیراز۔ بیضا اور فسا اس کے ماتحت تھے۔
(۵) سابور۔ اس کا مرکز شہرستان تھا۔ گازرون۔ نوبندجان اور توز اس کے تابع تھے۔
(۶) اصطخر۔ (استخر) ایران کا قدیم پایۂ تخت

اس اقلیم میں اہل پارس کے ساتھ کردوں کی بھی ایک کثیر تعداد تھی۔

(۱۴) کرمان

ولایات ۵

(۱) **بروسیر** - ماہان - گرگان اور زرند اس میں شامل تھے۔

(۲) نرماسیر۔

(۳) سیرجان۔

(۴) بم۔

(۵) **جیرفت** - متصل ساحل بحر۔

۱۵ سندھ

ولایات ۴

(۱) **مکران** - اس کا صدر مقام پنجپور تھا۔

(۲) **طوران** - دارالامارہ مقام قصدار تھا۔

(۳) **خاص سندھ** - اس کا مرکز منصورہ تھا۔ دیبل اسی کے ماتحت تھا۔

(۴) دیہند۔

اس اقلیم میں دریائے مہران (سندھ) ہی جو مصر کے دریائے نیل سے کسی طرح کم نہیں ہی۔

ان پندرہ ممالک میں سے چھ کی زبان عربی تھی۔
یہ طویل و عریض سلطنت خراسانی شیعہ کی امداد سے بنی عباس کو ملی تھی۔

ولایت عہد

حصہ دوم میں خلافت کے بیان میں ہم اس امر کو تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں کہ وہ جمہوری ہی۔ اور خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کی عام رضامندی سے ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ اُنھیں کی صلاح و فلاح اور اُنھیں کی مہمات کے انتظام کے لیے مقرر ہوتا ہی۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ نے خود اپنے اختیار سے بلا کسی نص کے حضرت ابو بکرؓ کو منتخب کیا۔ اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بیعت اُس معاہدہ کو کہتے ہیں جو اجراء عقد بیع کے وقت بائع اور مشتری میں ہاتھ ملا کر کیا جاتا ہی۔ یہاں بھی اس کا مفہوم یہی ہی کہ وہ جانبین کا معاہدہ ہی۔ یعنی خلیفہ اُن کو کتاب و سنت پر چلائے گا اور وہ اُن احکام میں جو رضا جوئی حق کا ذریعہ ہیں اس کی اطاعت کریں گے۔ یہی بیعت دراصل خلیفہ کی قوت کی اصلی بنیاد ہی۔ کیونکہ اس کے بعد امت پر اُسکی اطاعت شرعی طور پر لازم ہو جاتی ہی۔

حضرت ابو بکر نے انتخاب خلیفہ کا ایک دوسرا طریقہ اختیار فرمایا۔ یعنی یہ کہ بمشورہ اہل رائے اُنھوں نے ایک شخص کو اپنا قائم مقام منتخب کر دیا کہ لوگ اس بات کی بیعت کرلیں کہ میرے بعد اس کو خلیفہ بنائیں گے۔ اسی کو ولیعہدی کہتے ہیں۔

حضرت ابو بکر نے اس انتخاب میں مشورۂ عام اور خیر خواہی امت کا لحاظ رکھا تھا اور حضرت عمر کو اپنا ولیعہد بنایا تھا جو نہ ان کے ہم قبیلہ تھے نہ رشتہ دار۔ خلافت راشدہ کے

بعد امیر معاویہ نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کیا۔ مگر انھوں نے خاص اپنے بیٹے یزید کو ولیعہدی کے لیے منتخب کیا۔ اور اپنے موافقوں سے برائے نام مشورہ لے کر مخالفوں سے بھی بیعت لے لی۔ ان کے بعد بنی امیہ نے اسی طریقہ کو سلسلہ وار جاری رکھا۔ مشورہ کو بھی نظرانداز کر دیا۔ اور با اختیار خود محض اپنے عزیزوں اور بیشتر اپنے بیٹوں کو ولی عہد بناتے رہے۔ بلکہ اکثر ایک کے بجائے دو کو ولی عہد مقرر کر دیتے تھے۔ جس سے اور بھی فساد بڑھتا گیا اور آخر میں ان کے زوال کا موجب ہوا۔

بنی عباس نے بھی ان کی تاریخ سے مطلق عبرت نہیں پکڑی اور وہی دستور ولیعہدی کا برقرار رکھا۔ اور دو دو اور تین تین ولیعہد مقرر کرنے لگے۔ چنانچہ اس بدنظمی کی بدولت ان پر بھی وہی مصیبتیں آئیں جو بنی امیہ پر آئی تھیں۔

سفاح نے جو پہلا عباسی خلیفہ تھا اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو اور اُس کے بعد اپنے بھتیجے عیسٰے بن موسی کو ولیعہد بنایا۔ جب منصور تخت خلافت پر آیا اور اُس کا بیٹا مہدی جوان ہوا تو اس کے اوپر یہ امر نہایت گراں گذرا کہ میرے بعد عیسٰے خلیفہ ہو جائے۔ اور میرا بیٹا محروم رہے۔ اس لیے اُس نے چاہا کہ خلافت میں عیسیٰ کا درجہ مہدی کے بعد کر دے۔ عیسیٰ اس پر راضی نہیں تھا۔ اس وجہ سے اس پر بہت سختی کی۔ زہر کا پیالہ بھی اُس کو پلایا۔ لیکن وہ سخت جان تھا نہیں مرا۔ مگر مجبور ہو کر اس کو اپنی تاخیر پر رضامند ہونا پڑا حالانکہ اسی عیسٰے نے منصور کے عہد میں عظیم الشان کام انجام دیے تھے۔ اور بڑی بڑی مہمات سر کی تھیں۔

مہدی جب خلیفہ ہوا تو اُس نے بھی اسی بات کا اعادہ کیا جو منصور نے کی تھی۔ یعنی عیسٰے پر سختی شروع کی کہ وہ ولیعہدی سے مطلقاً دست بردار ہو جائے تاکہ وہ اپنے

دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو ولیعہد بنائے۔ طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھانے کے بعد عیسیٰ نے تنگ آکر دست برداری لکھدی۔

اب مہدی نے بھی وہی قدیمی غلطی کی۔ اور اپنے بعد اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو یکے بعد دیگرے ولیعہد کر گیا۔

ہادی نے خلیفہ ہو جانے کے بعد ہارون کو ولیعہدی سے نکال کر اپنے نوعمر بیٹے کو ولیعہد کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ ہارون کی امداد کے لیے قوی دست و بازو موجود تھے اس لیے وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اور انھیں جھگڑوں میں اس کی وفات بھی ہو گئی جسکے بارے میں بعض لوگوں کا بیان یہ ہی کہ زہر سے ہوئی۔

ہارون نے خلیفہ ہو جانے کے بعد پہلے مامون کو ولی عہد بنانا چاہا۔ لیکن چونکہ وہ کنیز کے شکم سے تھا اس لیے زبیدہ کے اثر سے مجبور ہو کر ۱۷۳ھ میں امین کی ولیعہدی کا فرمان لکھا جس کی عمر اسوقت تین سال سے زائد نہ تھی۔ دس سال کے بعد جعفر بن یحییٰ برمکی کوشش سے جو مامون کا اتالیق تھا مامون کے لیے بھی عہدنامہ لکھا۔ پھر عبد الملک بن صالح کے مشورہ سے اپنے تیسرے بیٹے قاسم کو بھی ولیعہد بنایا اور اس کا لقب موتمن رکھا۔ اس کے بعد کل ممالک اسلامیہ کو ان تینوں میں تقسیم کر دیا۔

مشرقی حصہ یعنی خراسان وغیرہ مامون کو دیا۔ مغربی حصہ مصر اور شام امین کو جزیرہ موتمن کو۔ اور ہر ایک کو مستقل امیر بنا دیا۔ اس طرح پر اپنی اولاد میں باہمی فتنہ و فساد کا تخم خود اپنے ہاتھوں سے بو دیا۔

اس کے بعد جب حج کے لیے گیا تو خاص حرم میں امین اور مامون کے لیے دو عہدنامے لکھے۔ اہل حرم کے سامنے دونوں بھائیوں کی موجودگی میں یہ محضر سنائے گئے۔ علماء۔

فقہا۔ امرا اور تمام حاضرین یہانتک کہ اللہ۔ اور فرشتے سب اس کے اوپر گواہ بنائے گئے۔ اور سخت سے سخت تاکیدیں اور شرطیں کی گئیں کہ اس عہدنامہ کو نہ توڑیں اور باہم خونریزی نہ کریں۔

لیکن **ہارون** جب گذر گیا اور **امین** تخت پر آیا تو اس کے دل میں بھی وہی خواہش پیدا ہوئی جو اس کے اسلاف کے دلوں میں ہوئی تھی یعنی اُس نے چاہا کہ مامون کو ولایت عہد سے دست بردار کرا کے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنائے۔ مامون خراسان کا والی تھا۔ اس کے پاس فوجی قوت بھی تھی اس بنا پر اس نے انکار کر دیا۔ امین نے فوج بھیجی۔ اور آخر وہ خونی واقعات پیش آئے جن سے عالم اسلامی میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ خود بغداد کا نہایت سخت محاصرہ ہوا۔ یہانتک کہ امین مارا گیا۔ اور مامون خلیفہ ہوا۔

مامون نے صرف اپنے بھائی **معتصم** کو اپنا جانشیں بنایا تھا۔ اسی طرح معتصم نے بھی صرف اپنے بیٹے **واثق** کو ولیعہد کیا تھا۔ اور واثق بلا عہد ولایت لکھے ہوئے گذر گیا۔ اس کی موت کے بعد ارکان دولت نے **متوکل** کو منتخب کر لیا۔ متوکل نے پھر وہی غلطی کی جو ہارون نے کی تھی۔ یعنی اُس نے بھی اپنے تینوں بیٹوں **منتصر۔ معتز** اور موید کو یکے بعد دیگرے ولیعہد بنایا۔ اور ہر ایک کو دو دو علم عطا کیے ایک سیاہ جو لوائے عہد تھا اور ایک سپید جو لوائے حکومت تھا۔ اور کل ممالک اسلامیہ کو ان میں تقسیم کر دیا۔

منتصر کو۔ افریقہ۔ مغرب۔ شام۔ جزیرہ۔ حجاز۔ عراق۔ یمن۔ اہواز۔ مکران اور سندھ۔

معتز کو۔ خراسان۔ طبرستان۔ آرمینیہ۔ آذربیجان اور فارس۔

موید کو جند حمص۔ جند دمشق۔ جند فلسطین۔

ہارون کی اولاد کا انجام دیکھ لینے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ بنی عباس میں عہد کا کوئی احترام نہیں ہے متوکل نے اپنے اس فعل میں مطلق دور اندیشی سے کام نہیں لیا۔

آخر میں بعض وجوہ کی بنا پر اپنے بڑے بیٹے منتصر کو ولیعہدی سے معزول کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ وہ مستقل امیر تھا اور اس کے پاس ترکوں کی ایک جماعت تھی اُس نے متوکل کو قتل کر دیا۔ اور خلیفہ ہو گیا۔ چالیس دن کے بعد اپنے دونوں بھائیوں کو بلا کر ولیعہدی سے معزولی کا فرمان سنا دیا۔ مؤید نے تسلیم کر لیا لیکن معتز نے مخالفت کی مگر بالآخر مجبور ہو کر ماننا پڑا۔ اور یہ سب کچھ محض شخصی استبداد کا جذبہ تھا ورنہ منتصر کے کوئی اولاد بھی اس قابل نہیں تھی کہ اس کو ولیعہد بناتا۔ چنانچہ وہ بلا ولیعہد بنائے گذر گیا۔

اس کی وفات کے بعد موالی نے مستعین بن محمد بن معتصم کو لا کر تخت نشین کیا۔ جس کو انھوں نے متوکل کی اولاد کے خوف سے چھپا رکھا تھا۔ اس زمانہ سے خلافت ترکی غلاموں کے قبضہ میں آگئی۔ وہی جس کو چاہتے تھے خلیفہ بناتے تھے۔ اور جس کو چاہتے تھے معزول کرتے تھے۔ صرف پندرھویں عباسی خلیفہ معتمد نے اپنے بھتیجے معتضد کو اپنا ولیعہد بنایا۔ اور اس نے اپنے بیٹے مکتفی کو۔ اس کے بعد سے پھر خلیفہ کا عزل و نصب ترکوں کے ہاتھ میں رہا۔

بنی بویہ کے زمانہ میں کل اختیارات انھیں کے ہاتھ میں تھے۔ خلفاء صرف نام کے لیے رکھے جاتے تھے۔ اس عہد میں جس قدر خلیفہ ہوئے سب کے سب معزول ہوتے رہے۔ صرف قادر عرصہ تک قائم رہا اور اس نے اپنے بیٹے قائم کو ولی عہد بنایا۔ اس کے بعد سے خلافت کا سلسلہ اس طرح پر رہا کہ باپ سے بیٹے کو ملتی رہی۔ ۶۵۶ھ میں ہلاکو نے جو چنگیز خاں کا پوتا تھا بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم کو

قتل کر ڈالا۔

خلاصہ یہ ہے کہ عہد عباسی میں باوجود اس کے کہ ہر قسم کے علوم و فنون کی اشاعت ہوئی۔ لیکن خلافت کے لیے کوئی معقول نظام نہیں تجویز کیا گیا۔ جس کا نتیجہ آخر میں آ کر تباہی اور بربادی ہوا۔

(۱) سفّاح

ابوالعباس عبداللہ سفّاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ اس کی ماں رَیطہ قبیلۂ بنی حارث کی تھی۔ اس کی ولادت سنہ ۱۰۴ھ میں حمیمہ میں ہوئی جہاں اس کا خاندان سکونت گزیں تھا۔

محمد بن علی نے اپنے بڑے بیٹے ابراہیم کو وصی بنایا تھا۔ ابراہیم جب گرفتار ہوئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ میں زندہ نہیں بچوں گا تو سفاح کے لیے امامت کی وصیت کر گئے۔ یہ مع اپنے تمام خاندان کے ابو سلمہ وزیر آل محمد کے ساتھ کوفہ میں آ گیا۔

۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۲ھ مطابق ۳۰ اکتوبر سنہ ۷۴۹ء میں کوفہ میں اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ لیکن اسوقت تک بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان زندہ تھا۔ جب وہ مصر میں ۲۸ ذی حجہ سنہ ۱۳۲ھ مطابق ۵ اگست سنہ ۷۵۰ء میں قتل کر دیا گیا تو اسکی مستقل خلافت کا آغاز ہوا۔

کوفہ چونکہ شیعہ آل علی کا مرکز تھا اس لیے بنی عباس نے وہاں اپنا دارالخلافہ رکھنا مصلحت کے خلاف سمجھا۔ چنانچہ وہ حیرہ میں اور پھر وہاں سے انبار میں منتقل ہو گئے۔

احوال داخلیہ

مروان کے قتل کے بعد بھی بنی عباس کی مشکلات ختم نہیں ہوئیں۔ کیونکہ بہت سے امراء اور رؤسا نے جو بنی امیہ کے حامی تھے بغاوتیں کیں۔ سفاح کا عہد خلافت زیادہ تر انھیں بغاوتوں کے دبانے میں گذرا۔

جو لوگ عالی خیال اور بلند حوصلہ ہوتے ہیں وہ قدرت پا جانے کے بعد مخالفوں کے دلوں کو معافی اور حسن سلوک سے اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف کر کے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اہل قریش کو جنھوں نے اسلام کی عداوت اور آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کے ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی عام معافی دیدی۔ اور بجز خاص مجرموں کے کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ لیکن بنی عباس نے اپنے خاندانی اور جدی بھائیوں بنی امیہ پر غلبہ پاکر جس طرح ان کو مٹا دیا اور اُن کے فنا کرنے میں جس قساوت قلبی کا اظہار کیا اس کی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ہے۔

داؤد بن علی نے جو سفاح کا چچا تھا مکہ اور مدینہ میں جسقدر بنی اُمیہ تھے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بھائی سلیمان بن علی نے بصرہ میں یہی کیا۔ جن کو قتل کرتا تھا اُن کے پاؤں پکڑوا کر کھنچوا کے راستوں میں ڈالدیتا تھا۔ عبداللہ بن علی نے شام میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایک ایک بنی امیہ کو مار ڈالا۔ بجز شیر خوار بچوں یا اُن لوگوں کے جو روپوش ہو کر بھاگ گئے کوئی اس کے ہاتھ سے نہیں بچ سکا۔ یہانتک کہ اُس نے جوش انتقام میں خلفاء بنی امیہ امیر معاویہ۔ یزید۔ اور عبدالملک وغیرہ کی قبریں کھدوا ڈالیں اور ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو نکال کر پھنکوا دیا۔ ہشام بن عبدالملک کی نعش صحیح و سالم نکلی تھی

صرف ناک گل گئی تھی۔ اُس کو کوڑوں سے پٹوا کر سولی پر چڑھا دیا۔ پھر آگ میں جلایا اور راکھ ہوا میں اُڑا دی۔

عراق میں خود سفاح نے بھی یہی کیا۔ ایک بار دربار میں وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا ایک جانب کرسیوں پر بنی ہاشم اور دوسری جانب گدّوں پر بنی امیہ تھے۔ اسی اثنا میں ایک شاعر نے آکر بنی اُمیہ کے مظالم میں چند اشعار اس کو سُنائے۔ سفاح کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اس نے بنی امیہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کم بختو! ہمارے جن عزیزوں کو تم نے قتل کیا وہ تو فنا ہو گئے اور تم ابھی تک اس دنیا میں عیش کرنے اور لذت اُٹھانے کے لیے زندہ ہو۔ پھر خراسانیوں کو حکم دیا وہ ان کے اوپر ٹوٹ پڑے اور سب کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک شخص عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز داؤد بن علی کی سفارش سے بچ سکا۔

بنی امیہ میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک اس دارو گیر سے کسی طرح بھاگ کر افریقہ میں نکل گیا اور وہاں سے اندلس پہنچا۔ اور اس خطہ پر اپنا تسلط جما لیا۔ یہ سلطنت اگرچہ ایک چھوٹے سے رقبہ میں تھی لیکن تھوڑے دنوں میں وقعت اور عظمت کے لحاظ سے خلافت عباسیہ کی حریف ہو گئی۔

بنی عباس کی یہ سخت گیری بنی اُمیہ ہی تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ خود اپنے ارکانِ سلطنت پر بھی اُنھوں نے ہاتھ بڑھایا۔ ابوسلمہ خلال جو وزیر آل محمد کے لقب سے مشہور تھا۔ اور جس نے اس دولت کے قائم کرنے میں بڑی خدمت انجام دی تھی۔ سفاح اس سے اس بنیاد پر ناراض تھا کہ اُس نے اس خلافت کو آل علی کی طرف منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لیے اس کے قتل کے درپے ہوا لیکن اس میں ابومسلم کی رائے لینی بھی ضروری تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی منصور کو خراسان میں بھیجا۔ ابومسلم نے کہا کہ آپ لوگ کل

خاموش رہیں میں خود اس کا بندوبست کر دونگا۔ منصور واپس آیا۔ ابومسلم نے ایک خراسانی کو کوفہ میں بھیجا۔ اور اس کو یہ حکم دیا کہ جہاں ابوسلمہ کو پاجائے قتل کر دے۔ وہ آکر چھپا رہا۔ ابوسلمہ سفاح کے دربار سے نکل کر جب شارع عام پر آیا تو اُس نے پہنچکر اس کو قتل کر دیا۔ چند غوغائیوں نے وہاں جمع ہو کر شور مچا دیا کہ کسی خارجی نے اسکو مار ڈالا

اسی زمانہ میں ابومسلم نے **سلیمان** بن کثیر خزاعی شیخ النقبا، پر جس نے اس سلطنت کے قائم کرنے میں ابوسلمہ سے کم کوشش نہیں کی تھی یہی الزام لگایا کہ وہ بہ نسبت آلِ عباس کے آلِ علی کا ہواخواہ ہی۔ حالانکہ یہ وہ شخص ہی کہ امام ابراہیم نے جب ابومسلم کو خراسان میں امیر بنا کر بھیجا تھا تو اس کو یہ حکم دیا تھا کہ اہم معاملات میں تم اسی شیخ سے مشورہ لینا۔ اور اس کو میرا قائم مقام سمجھنا۔

ابومسلم نے اس کو بلایا۔ اور کہا کہ تم کو یہ بات یاد ہی کہ امام نے مجھے حکم دیا تھا کہ جس پر مجھکو شبہ ہو اُس کو قتل کر دوں۔ اُس نے کہا کہ ہاں۔ ابومسلم نے کہا کہ مجھکو تمہارے اوپر شبہ ہی۔ کہ تم امام کے سچے خیرخواہ نہیں ہو۔ اُس نے اللہ کا واسطہ دلانا شروع کیا۔ لیکن ابومسلم نے ایک نہیں سنی اور اُس کو قتل کر دیا۔

الغرض سفاح کا عہد بنی اُمیہ کو مٹانے اور ہر طرف سے جو رخنے نظر آئے اُن کو بند کرنے میں گذرا جس کی نسبت ذرا بھی شبہہ ہوتا تھا وہ قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح پر نہ صرف بیجا خونریزی اور سفاکی حد سے زیادہ ہوئی بلکہ بدعہدی اور پیماں شکنی کی مثال قائم ہوگئی۔ جسکی وجہ سے کبرا سلطنت کے دلوں سے اطمینان اور اطمینان کے ساتھ خلوص جاتا رہا۔

امراء

سفاح کے عہد میں جسقدر امرا مقرر کیے گئے وہ سب بنی عباس ہی سے تھے۔

اس لیے کہ غیروں پر اعتماد نہیں تھا۔ ان امرا میں سے تین شخص اپنے نفوذ اور اثر کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ **عبداللہ بن علی** والی شام و مصر۔ **ابوجعفر منصور** والی عراق و جزیرہ **ابومسلم** امیر خراسان۔ یہی لوگ سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ لیکن ان میں باہم خلوص اور اتحاد نہیں تھا۔

ابومسلم کی طاقت اور شوکت کو دیکھکر ابوجعفر از روئے حسد کے اس کا سخت دشمن ہوگیا تھا۔ اور بار بار سفاح سے اصرار کرتا تھا کہ اس کو قتل کرو۔ وہ بھی راضی تھا لیکن صرف اسی خوف سے جرات نہیں کرتا تھا کہ کہیں خراسانی جن کی بدولت یہ سلطنت قائم ہوئی ہے اس کے قتل سے برگشتہ نہو جائیں۔

عبداللہ بن علی خلافت کی آرزو رکھتا تھا۔ اس کو یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں منصور سفاح سے اپنی ولیعہدی کا فرمان نہ لکھائے۔ اس لیے آپس میں دلوں میں صفائی نہ تھی۔

۱۳۶ھ میں ابومسلم نے سفاح سے حج کی اجازت طلب کی۔ وہ چونکہ اس کو امیرالحاج نہیں بنانا چاہتا تھا اس لیے منصور سے کہا کہ تم بھی حج کے لیے درخواست دیدو۔ اس کی عرضی پر حکم لکھدیا کہ تم امسال امیرالحج ہو۔ اور ابومسلم کو جواب دیا کہ تم حج کے لیے آؤ۔ لیکن چونکہ منصور نے بھی حج کی درخواست کی تھی اس لیے میں نے اسی کو امیرالحاج مقرر کردیا ہے۔ ابومسلم نے کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ اور لکھا کہ مجھے خوشی ہے کہ میں ان کی ماتحتی میں حج کروں۔ لیکن اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ کیا منصور کو اسی سال حج کرنا ضروری تھا۔ یہ دونوں قافلے ایک ساتھ ایک ہی راستہ سے مکہ کو چلے۔ راہ میں ابومسلم نے اپنی شوکت اور فیاضی کا اس قدر اظہار کیا کہ منصور کا رشک و حسد اور بھی بڑھ گیا۔ اور آیندہ یہی ابومسلم کے قتل کا موجب ہوا۔

ولیعہدی

سنہ ۱۳۶ھ میں سفاح نے اپنے بھائی منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی کی ولی عہدی کے لیے فرمان لکھا۔ اس عہد کو حریر کے پارچہ پر لکھوا کر پہلے اس پر اپنی مہر لگائی۔ پھر اپنے اہل خاندان کی مہریں لگوا کر عیسیٰ بن موسیٰ کے حوالہ کیا۔

وفات

اسی سنہ میں وہ چیچک کے مرض میں مبتلا ہوا۔ اور یوم شنبہ ۱۳ ذی حجہ سنہ ۱۳۶ھ مطابق ۸ رجون سنہ ۷۵۲ء کو مقام انبار میں وفات پائی۔

یوم بیعت سے وفات تک اس کی مدت خلافت چار برس نو مہینے رہی۔ اور مروان کے قتل کے بعد سے چار سال چودہ روز۔

(۲) منصور

ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ۔ اس کی ماں ام ولد تھی جس کا نام سلامہ تھا۔ اس کی پیدائش حمیمہ میں سنہ ۹۵ھ میں ہوئی تھی۔

خلافت عباسیہ کے لیے جد وجہد اور اس کے انتظام و اہتمام میں یہ سفاح کا دست راست تھا۔ جس وقت اس کی وفات ہوئی یہ حج کے لیے گیا تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ ولی عہد ثانی نے اس کے لیے بیعت لی۔ اور اسکو صورت حال سے مطلع کیا۔ وہ واپس آ رہا تھا۔ راستہ میں قاصد ملا۔ عجلت کے ساتھ انبار پہنچکر تخت نشیں ہوا۔

احوال داخلیہ

منصور کو اپنی خلافت کے لیے بنی امیہ یا ان کے حامیوں کی طرف سے تو کوئی اندیشہ

نہ تھا- کیونکہ ان کا خاتمہ ہو چکا تھا- لیکن تین طرف سے اس کو ڈر لگا ہوا تھا-

(۱) اپنے چچا عبد اللہ بن علی کی طرف سے- کیونکہ بنی عباس میں اس کی شخصیت نہایت ممتاز تھی- اور چونکہ سفاح نے اس کو سپہ سالار عام مقرر کر دیا تھا اس لیے شام جزیرہ اور موصل وغیرہ کی تمام فوجیں اسکے قبضہ میں تھیں- اور وہ بڑی قوت اور شوکت رکھتا تھا- واپسی میں جب منصور کو سفاح کی موت کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابو مسلم سے اس خطرہ کا اظہار بھی کیا تھا-

(۲) خود ابو مسلم سے جو دولت عباسیہ کا اصلی بانی تھا- کیونکہ اس کی طاقت بھی زبردست تھی اور تمام مہمات ملکی میں وہ دخیل تھا- ابوجعفر کو یہ ڈر تھا کہ کہیں مجھکو اپنا مخالف سمجھکر یہ خلافت کو کسی دوسرے کے ہاتھ میں منتقل نہ کر دے-

(۳) اپنے بنی اعمام آل علی سے- بالخصوص محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کی طرف سے اسکو بہت خطرہ تھا- اور یہ خوف اس کے دل میں اسوقت سے اور بھی بڑھ گیا تھا جب اس نے دیکھا کہ اس کے امیر الحج ہونے کی وجہ سے محمد مذکور اور ان کے بھائی ابراہیم دونوں حج میں نہیں شریک ہوئے-

ان تینوں خطرات کو اس نے اچھی طرح سمجھ لیا- چونکہ وہ صاحب ہمت وجرات- ہوشمند اور مدبر تھا اس لیے اس نے یہ سوچا کہ انہیں دشمنوں سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں کام لے کر ان کی قوت کو توڑ دے-

عبد اللہ بن علی

عیسٰے بن موسٰے نے عبد اللہ کو بیعت کے لیے بلایا- وہ اسوقت رومیوں سے لڑکر واپس آرہا تھا- حران میں پہنچکر اس نے فوج کو جمع کیا- اور ان سے اپنی خلافت

کی بیعت لی۔

منصور نے ابو مسلم کی ماتحتی میں نہایت ساز و سامان کے ساتھ ایک لشکر گراں ترتیب دے کر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔

عبداللہ کے ساتھ خراسانی فوج کا بھی ایک حصہ تھا۔ جس کا امیر حمید بن قحطبہ تھا۔ عبداللہ نے خیال کیا کہ شاید یہ لوگ ابو مسلم کی وجہ سے میرا ساتھ نہ دیں۔ اس لیے حمید کو ایک خط دے کر زفر بن عاصم والی حلب کے پاس بھیجدیا۔ اور اُس کے جانے کے بعد خراسانیوں کو جو کئی ہزار تھے قتل کرا دیا۔ ادھر راستہ میں حمید نے جب اس خط کو کھول کر دیکھا تو اس میں یہ مضمون پایا کہ جسوقت یہ تمھارے پاس پہنچے اس کو قتل کر دینا۔ اس وجہ سے وہ حلب نہیں گیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو لیے ہوئے عراق کی طرف پلٹا۔ خراسانیوں کے قتل اور حمید کے نکلنے کی وجہ سے عبداللہ کے لشکر میں ابتری پیدا ہو گئی۔ وہ ان کو لیے ہوئے حرّان سے نصیبین میں آ گیا۔ جو ایک مستحکم فوجی مقام تھا۔ اور وہاں جنگ کی تیاری میں مشغول ہوا۔

ابو مسلم نے وہاں پہنچکر دیکھا کہ عبداللہ نے ایک مضبوط مرکز پر مورچہ جما لیا ہے جسکو فتح کرنا دشوار ہے۔ اس لیے اس کو خط لکھا کہ مجھکو تم سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ میں ملک شام کا والی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور اسی طرف جا رہا ہوں۔ عبداللہ اس کی چال کو سمجھ گیا لیکن اس کے ساتھ جو شامی امرا تھے وہ مضطرب ہوئے کہ ہم یہاں ہیں یہ شام میں پہنچکر نہ معلوم ہمارے گھر والوں پر کیا کیا سختیاں کرے۔ اس لیے اُنھوں نے عبداللہ کو مجبور کیا کہ شام کی طرف چلو۔ وہ ان کو لے کر نکلا۔ اور ملک شام کی طرف چلا۔ ابو مسلم موقع پاکر نصیبین میں داخل ہو گیا۔ اور اس محفوظ مقام کو اپنا مرکز بنایا۔ عبداللہ نے دیکھا کہ حریف اپنے داؤں میں کامیاب ہو گیا۔ مجبوراً اس جگہ آ کر خیمے ڈالے جہاں پہلے ابو مسلم کی فوج

تھی - فریقین میں جنگ شروع ہوئی۔

شامی تعداد میں زیادہ اور سازو سامان کے لحاظ سے خراسانیوں سے بہتر حالت میں تھے - لیکن جو موقع ابو مسلم نے حاصل کرلیا تھا اس کی وجہ سے اہل شام اُن کو مغلوب نہیں کرسکے - چھ مہینہ تک برابر لڑائی جاری رہی اور کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا۔

یوم سہ شنبہ، جمادی الثانی ۱۳۷ھ کو ابو مسلم نے حسن بن قحطبہ کو جو اس کے میمنہ کا امیر تھا حکم دیا کہ آج میسرہ میں زیادہ فوج کو رکھو اور میمنہ میں صرف وہ لوگ رہیں جو منتخب بہادر ہیں - عبداللہ نے یہ دیکھکر اپنے میمنہ کی طرف زیادہ زور دیا اور میسرہ کو خالی چھوڑ دیا - ابو مسلم نے قلب اور میمنہ کو ایک ساتھ اس کے میسرہ پر بڑھایا - جس سے شامیوں کا زور ٹوٹ گیا اور وہ شکست کھا گئے۔

عبداللہ بن علی سے اسوقت ایسا فعل سرزد ہوا جس کو بنی ہاشم ہمیشہ اپنے لیے عار سمجھتے رہے - یعنی وہ میدان چھوڑ کر بھاگا - اس کے اُمرا نے ہر چند اُس سے کہا کہ بھاگنا سپاہی کا کام نہیں ہے - اس سے پہلے خود تم ہمیشہ مروان کو گالیاں دیتے تھے کہ وہ موت سے ڈر کر بھاگ گیا - آج خود اسی ننگ کو کیوں گوارا کرتے ہو - لیکن اُس کا قدم نہیں رکا - ابو مسلم نے فتح کے بعد شامیوں کو امن عام دیدیا۔

عبداللہ بصرہ پہونچا - وہاں اس کا بھائی سلیمان بن علی والی تھا - کچھ دنوں تک وہ اس کے پاس چھپا رہا - منصور کو خبر ہوگئی - اُس نے سلیمان کو لکھا کہ عبداللہ کو میرے پاس بھیجدو میں اُسے امان دیتا ہوں - سلیمان اُس کو خود اپنے ساتھ لے کر گیا - منصور نے باوجود امان دینے کے قید کر دیا - یہانتک کہ اسی قید میں ۱۴۷ھ میں وہ مرا۔

ابو مسلم

منصور کو ابو مسلم کے ہاتھوں عبد اللہ کی طرف سے اطمینان نصیب ہو گیا۔ لیکن اب خود ابو مسلم کی اس کو فکر ہوئی۔ کیونکہ اس فتح سے اس کا رتبہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اور منصور کی طبیعت اس قسم کی تھی کہ وہ اپنے سوا کسی کی عظمت کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اس کے خطوط ابو مسلم کے پاس جاتے ہیں تو وہ ان کا مذاق اُڑاتا ہی۔ اس وجہ سے اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو اس کا خاتمہ کر دے۔

اسی درمیان میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ابو مسلم کے دل میں بھی منصور کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا۔ وہ یہ کہ جب شامیوں پر اُس نے فتح پائی تو منصور نے ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا اور لکھا کہ جو کچھ مال غنیمت ملا ہو اس کو اچھی طرح شمار کر کے اس کے حوالہ کر نا۔ ابو مسلم نے اس خط کو پڑھ کر کہا کہ خون کے معاملہ میں مجھ پر اعتماد کیا جاتا ہی اور مال کے معاملہ میں نہیں۔ اور اسقدر برہم ہوا کہ اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے حاشیہ نشینوں نے کہا کہ اس غریب کا کیا قصور ہی۔ اس لیے چھوڑ دیا۔ اس شخص نے آکر سارا ماجرا منصور کو سنایا۔

منصور بہت احتیاط کرتا تھا کہ ابو مسلم کے دل میں اس کی طرف سے کسی قسم کا شبہ پیدا ہونے نہ پائے۔ کیونکہ اس کو خطرہ تھا کہ اگر وہ بدگمان ہو کر خراسان میں چلا گیا تو اس کے اوپر قابو پانا دشوار ہو گا۔ اس لیے کہ وہاں اس کی طاقت زبردست ہی۔ جب یہ صورت پیدا ہو گئی تو اس نے فوراً ابو مسلم کو فرمان بھیجا کہ بجائے خراسان کے میں تم کو شام اور مصر کا والی مقرر کرتا ہوں۔ تم شام میں رہو۔ اور اپنی طرف سے جس کو چاہو مصر کا امیر بنا کر بھیج دو۔

اس فرمان سے وہ اور بھی غضبناک ہوا۔ اور کہا کہ خراسان میری ولایت ہی میں اسکو نہیں چھوڑ سکتا۔ چنانچہ وہ اپنی کل فوج کو لے کر مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ منصور نے دیکھا کہ

اب اگر یہ خراسان تک پہونچ گیا تو ایک ایسی جنگ پیش آئے گی جس کا نتیجہ نامعلوم ہے۔ لہذا اس کا فیصلہ جس تدبیر سے ممکن ہو اس سے پہلے کر دینا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ انبار سے مدائن میں آ گیا۔ اور ابو مسلم کو حکم بھیجا کہ تم یہاں آکر مجھ سے ملو۔ اس نے جواب میں لکھا کہ

امیر المومنین کا اب کوئی دشمن باقی نہیں رہا جس کی طرف سے خطرہ ہو۔ اور ہم نے آل ساسان کی روایات میں یہ سنا ہے کہ سکون کی حالت میں بادشاہوں کو زیادہ خطرہ اپنے وزیروں سے ہوا کرتا ہے۔ اس لیے ہم آپ کے قرب سے گریزاں ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ دور رہ کر وفاداری کے ساتھ اطاعت کرتے رہیں۔ لیکن اگر آپ کو اس کے خلاف اصرار ہے۔ اور آپ وہی کرنا چاہتے ہیں جو مرکوز خاطر ہے تو یہ اس پیمان کے خلاف ہے جو ہمارے ساتھ کیا گیا ہے۔

اس خط سے منصور کے دل میں انتقام کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ کیونکہ ابو مسلم نے اپنی قوت کے اعتماد پر نہ صرف اس کے حکم کی مخالفت کی تھی بلکہ اپنے آپ کو اس کے مد مقابل رکھکر ایک قسم کی دھمکی بھی دی تھی منصور نے جواب دیا۔

میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تم اُن خیانت کار وزراء میں سے نہیں ہو جو اپنے جرموں کی وجہ سے بادشاہوں سے ڈرتے تھے۔ اور اپنے بچاؤ کے لیے سلطنت میں انقلاب پیدا کرنے کی سازشیں کرتے تھے۔ بلکہ تم نے اس دولت کی عظیم الشان خدمت کی ہے۔ اور ہم کو تمہاری خیرخواہی اور اطاعت پر کامل اعتماد ہے۔ اسی لیے یہ خط ولیعہد عیسےٰ بن موسےٰ کے ہاتھ تمہارے پاس بھیجا جاتا ہے۔ کہ اس کی باتوں سے تم کو اطمینان ہو جائے۔ اور اگر دل میں کسی قسم کا وسوسہ ہو تو نکل جائے۔

منصور نے عیسےٰ کے ہمراہ ابو حمید مرورودی کو بھی جو ایک نہایت زباں آور آدمی تھا بھیجا۔ اور اُس سے کہدیا کہ پہلے ابو مسلم سے نہایت نرمی کے ساتھ گفتگو کر کے یہاں

آنے پر اس کو راضی کرنا۔ اگر وہ آنے سے انکار کرے تو پھر اس سے کہنا کہ امیرالمومنین نے قسم کھائی ہی کہ جو تم نہیں آؤ گے تو میں خود آؤں گا۔ تم بھاگو گے تو تمہارا پیچھا کرونگا۔ یہانتک کہ سمندر یا آگ میں اگر جاکر گھسو گے تو میں بھی تمہارے پیچھے اُس میں گھسونگا۔ اور یا مارونگا یا مرونگا۔

ابوحمید نے حسب ہدایت پہلے ابومسلم سے شیریں زبانی کے ساتھ گفتگو کی۔ اُس نے خراسانیوں سے مشورہ لیا۔ اُنھوں نے کہا کہ منصور کے پاس تمہارا جانا مناسب نہیں ہی کیونکہ اس کی نیت تمہاری طرف سے صاف نہیں معلوم ہوتی۔ اس بنا پر اُس نے ابوحمید سے کہا کہ میں نہیں جا سکتا۔ اسوقت ابوحمید نے دوسرا پیغام سنا دیا۔ اس کو سنکر اُسکا دل بیٹھ گیا۔

ادھر منصور نے دوسری کارروائی یہ کی کہ ابومسلم کے نائب کو جو اسکی غیبت میں خراسان کا حاکم تھا وہاں کی مستقل حکومت کا فرمان لکھکر بھیجدیا۔ ابومسلم نے دیکھا کہ منصور نے اس کا تعلق خراسان سے بھی منقطع کردیا اس لیے اب کوئی صورت بجز اس کے نہ تھی کہ وہ خلیفہ کے پاس حاضر ہو۔ چنانچہ خراسان سے منہ موڑکر مدائن کی طرف روا

منصور نے اس کے قتل کا قطعی فیصلہ کرلیا تھا۔ لیکن اپنے اس ارادہ کو نہایت تھا۔ یہانتک کہ جب ابومسلم مدائن کے متصل پہنچا تو اُس نے اُمرا اور رؤسا کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا۔ اور جسوقت وہ دربار میں آیا اس سے نہایت خوش ہوکر ملا۔ جس سے اُس کا دل مطمئن ہوگیا۔ اور خوف جاتا رہا۔

دوسرے دن ابومسلم کے دربار میں آنے سے قبل منصور نے عثمان بن نہیک رئیس شُرطہ کو حکم دیا کہ چار سپاہیوں کو پس پردہ چھپا رکھے جو میری تالی بجانے پر نکل کر

اُس کو قتل کر دیں۔

جب ابو مسلم دربار میں آیا تو منصور نے اس سے گفتگو شروع کی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت چھوٹا نیزہ تھا دیکھنے کے بہانہ سے اُس کو بھی لے لیا۔ پھر اُس نے جو نافرمانیاں کی تھیں اُن کو گنانا شروع کیا۔ آخر میں کہا کہ تم میرے حکم کے خلاف خراسان کی طرف کیوں روانہ ہوئے۔ ابو مسلم کو خوف پیدا ہوا۔ منصور نے اسی درمیان میں تالی بجائی۔ ان چاروں سپاہیوں نے نکل کر ابو مسلم پر حملہ کر دیا۔ وہ چلّاتا رہا کہ مجھکو بڑی بڑی مہمات کے لیے باقی رکھیے اور قتل نہ کرائیے لیکن چند لمحوں میں اسکا کام تمام کر دیا گیا۔

اس کے ہمراہیوں نے جب سنا تو اُن میں جوش پیدا ہوا۔ اور اُنھوں نے جا کر قصرِ شاہی کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن ابو جعفر نے ان کو اسقدر اشرفیوں کے توڑے دیدیے کہ وہ خوش ہو گئے۔ ان کے روسا، وامرا، کو بڑے بڑے صلے اور گراں بہا خلعتیں بخشیں۔

ابو مسلم کے قتل کے بعد منصور کو اطمینان ہو گیا۔ اور اُس نے یہ سمجھا کہ اب میری خلافت کا دور شروع ہوا۔

ابو مسلم نہایت عالی حوصلہ۔ باہمت۔ مدبر اور فرزانہ امیر تھا۔ اگر اس میں سفاکی نہ ہوتی تو وہ دنیا کے ممتاز سپہ سالاروں میں شمار کیا جاتا۔ لیکن اُس نے دولتِ عباسی کی تاسیس میں بیحد خون ناحق بہایا۔ یہانتک کہ امام ابراہیم کے اس حکم کے مطابق کہ جسپر تم کو شبہ ہو اس کو قتل کر دینا اس نے شیخ النقبا سلیمان بن کثیر کو محض خیالی تہمت پر قتل کر ڈالا۔

جب اس دولت کا اصول یہ قرار پا چکا تھا تو پھر وہ خود کیونکر اس سے بچتا۔

منصور کو بھی اس کی نیت پر شبہ ہوا اس لیے اس نے اس کا کام تمام کرا دیا۔
یہ بھی ایک سنت الٰہی ہے جس کو اس نے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔
وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۔ اسی طرح ظالموں ہی میں سے ان کے اعمال کی بدولت ہم ایک کو دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔

محمدؒ بن عبداللہ نفس زکیہ

شیعہ اہل بیت کے دو فرقے امامیہ اور زیدیہ عرب و عجم میں کثرت سے پھیلے ہوئے تھے۔ اور انکی دعوت عام تھی۔ بنی عباس نے اپنی امامت کی تلقین میں اسی وجہ سے کسی امام کا نام متعین کرنا مناسب نہیں خیال کیا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ اس دعوت عام سے نفع اٹھائیں۔ چنانچہ اُنھوں نے بھی محض امامت اہل بیت کی تبلیغ کی۔ اور اس تدبیر سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

بنی فاطمہ نے اُن کو بھی ویسا ہی ظالم اور غاصب قرار دیا جیسا کہ بنی امیہ کو وہ سمجھتے تھے کیونکہ امامت ان کے نزدیک صرف بنی فاطمہ کا حق تھی۔ ان میں سے اس وقت دو شخص ممتاز تر تھے۔ ایک امام جعفر صادق جو فرقہ امامیہ کے امام ششم تھے۔ دوسرے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسنؓ جن کا لقب اُن کے پاکیزہ صفات کی وجہ سے نفس زکیہ تھا۔ اور اہل بیت کے اکثر لوگ ان کو مہدی مانتے تھے۔

امام جعفر صادق تقدیر پر صابر دست کش رہے۔ انھوں نے بنی عباس کے خلاف کسی قسم کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ معتقدوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ خاموش رہیں لیکن محمد نفس زکیہ اپنی خلافت کے لیے سخت کوشاں تھے۔ بنی اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان کے زمانہ ہی میں اکثر رؤسا بنی ہاشم نے ان کی امامت پر بیعت کی تھی اور اُن کو مہدی تسلیم کیا

اس بیعت میں سفاح اور منصور بھی شامل تھے۔ اسی وجہ سے جب عباسیوں نے خلافت قائم کی تو اُنھوں نے سفاح کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اور چاہا کہ خود اپنی خلافت کا دعوےٰ کریں۔ سفاح نے اُن کو خط لکھا۔ وہ چونکہ اس کے احسانمند تھے اس لیے اس کے زمانہ میں مخالفت سے باز رہے۔

محمدؐ کے ایک دوسرے بھائی ابراہیم بن عبداللہ تھے۔ ان کو خراسان کی ایک جماعت امام مانتی تھی۔ اور ان کی حمایت کے لیے تیار تھی۔

جب منصور خلیفہ ہوا تو چونکہ اس کو ان دونوں بھائیوں کا حال معلوم تھا اور وہ ان کا رازدار رہ چکا تھا اس لیے اس کو ان کی طرف سے ہر وقت خطرہ تھا۔ ۱۳۶ھ میں جب وہ امیر الحج ہو کر گیا تو ان دونوں میں سے کوئی حج میں بھی نہیں آیا۔ اسوجہ سے اس کا شبہ اور بھی قوی ہو گیا تھا۔

زیاد بن عبداللہ حارثی اسوقت مدینہ کا عامل تھا۔ منصور نے اس سے پوچھا کہ محمدؐ نفس زکیہ کے کیا ارادے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ فرمائیں۔ میں اُن کو دربار میں حاضر کر دونگا۔ منصور نے پھر بنی ہاشم کے ایک ایک شخص کو الگ الگ بلا کر محمدؐ کی بابت دریافت کیا۔ ہر ایک نے یہ جواب دیا کہ پہلے وہ خلافت کے طالب تھے۔ لیکن تم لوگوں کے تسلط کے بعد ان کا یہ خیال جاتا رہا اور وہ تمھاری مخالفت کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ لیکن حسن بن زید بن حسن بن علیؑ نے صاف صاف انکے حالات منصور کو سنا دیے۔ اور کہدیا کہ وہ تیاری میں مصروف ہیں اور کسی نہ کسی وقت تمھارے مقابلہ کے لیے ضرور آئینگے۔ یہ سُنکر بیدار مغز منصور کی آنکھیں کھل گئیں۔

وہ برابر محمدؐ کی جستجو میں مصروف رہا۔ زیاد والی مدینہ جو محمدؐ کی طرف سے اطمینان

ولا کر گیا تھا جب انکو نہیں حاضر کر سکا۔ تو اس کو معزول کر کے محمد بن خالد بن عبد اللہ قسری کو وہاں کا عامل بنا کر بھیجا۔ اور حکم دیا کہ جسقدر مال چاہو خرچ کرو لیکن محمد کا پتہ لگاؤ۔ اس نے بھی بہت کوشش کی لیکن محمد اس کے ہاتھ نہ آئے۔ اسوجہ سے اس کو بھی معزول کر کے رباح بن عثمان کو بھیجا۔ وہ ۱۴۴ھ میں مدینہ میں آیا پہلے محمد بن خالد سابق امیر مدینہ اور اس کے کاتب کو سزا دی۔ اس کے بعد محمد کی جستجو کرنے لگا۔ وہ دیہاتوں میں روپوش تھے اور اپنے گھر میں بھی آتے جاتے تھے۔ رباح کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بنی حسن میں سے ۱۳ آدمیوں کو پکڑ کر منصور کے پاس بھیجا۔ ان کے ساتھ محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ بھی مقید تھے۔ کیونکہ وہ ماں کی طرف سے بنی حسن سے رشتہ رکھتے تھے۔ نیز ان کی بیٹی نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم سے بیاہی تھی۔ منصور نے ان لوگوں پر اور خاصکر محمد عثمانی مذکور پر اسقدر سختیاں کیں جو لکھنے کے قابل نہیں ہیں۔ یہانتک کہ ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے۔

یہ وہی بنی عباس ہیں جنھوں نے تمام دنیا میں یہ غلغلہ ڈال رکھا تھا کہ ہم قاتلان اہلبیت کے انتقام کے لیے اُٹھے ہیں۔ حالانکہ بنی امیہ کے زمانہ میں ائمہ اہل بیت میں سے جو لوگ مقتول ہوئے تھے وہ میدان جنگ میں لڑ کر مقتول ہوئے تھے۔ اُنھوں نے اہل بیت کے کسی ایک فرد کو بھی اس ظالمانہ طریقہ سے پکڑ کر ہلاک نہیں کیا تھا۔

اپنے خاندان پر ان مظالم کو دیکھکر محمد نفس زکیہ کو تاب ضبط نہ رہی۔ یکم رجب ۱۴۵ھ کو وہ ۲۵۰ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے وہاں کے باشندوں نے ان کا ساتھ دیا۔ امیر مدینہ رباح نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن اس کو لوگوں نے گرفتار کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔

نفس زکیہ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر تقریر کی جسکا خلاصہ یہ تھا۔

حاضرین! ہمارا اور اس ظالم منصور کا جو معاملہ ہی وہ آپ سے مخفی نہیں ہی۔ اس نے اپنے قصر کا سبز گنبد کعبہ کی تحقیر کے لیے بنایا ہی۔ وہ اللہ کا دشمن ہی۔ فرعون نے بھی اسی قسم کی سرکشی کی تھی جسکی وجہ سے اسپر عذاب آیا تھا۔ اے اللہ تو اس کو بھی برباد کر دے۔

دین اسلام کی حفاظت کے اصلی حقدار مہاجرین اولین کے بیٹے اور فرزندان انصار ہیں۔

میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے مدینہ کو اس خیال سے اپنا مرکز نہیں بنایا ہی کہ یہاں کے لوگ زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ میں یہاں کے باشندوں سے محبت رکھتا ہوں۔ میں تو یہاں اسوقت آیا ہوں جبکہ دنیائے اسلام کے ہر مقام کے لوگوں نے میری امامت کی بیعت کر لی ہی۔

اہل مدینہ یہ سنکر خوش ہو گئے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ بلکہ منصور نے اپنی طرف سے جا بجا ایسے لوگوں کو متعین کر دیا تھا جو محمد کے پاس خطوط بھیجا کرتے تھے کہ یہاں کے لوگ آپ کی امامت پر راضی ہیں۔ اس سے ان کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ ہر مقام کے لوگ میری امامت تسلیم کر چکے ہیں۔ اور حمایت کے لیے آمادہ ہیں۔

دوسری خرابی یہ پڑ گئی کہ اُنھوں نے اپنے بھائی ابراہیم سے یہ طے کیا تھا کہ جسدن میں مدینہ میں خروج کروں اسی دن تم بصرہ میں اپنی جماعت کو لے کر اُٹھ کھڑے ہو۔ منصور دونوں کے مقابلہ سے عاجز رہے گا۔ لیکن ابراہیم اسی زمانہ میں بیمار ہو گئے اس لیے یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔ اور نفس زکیہ نے اپنی طاقت کا جسقدر اندازہ لگایا تھا وہ غلط ہو گیا۔

ان سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ انھوں نے مدینہ کو اپنا مرکز بنایا جس کی تمام ضروریات باہر سے پوری ہوتی ہیں۔ اور جو چار دن بھی محاصرہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ محمد بن خالد قسری نے ان سے کہا بھی کہ آپ نے مدینہ کو کیوں منتخب کیا۔ یہ تو ایسا مقام ہی کہ یہاں کا پانی ہی گر

کوئی دو دن باہر سے روک دے تو یہاں کے لوگ پیاسے مرجائیں گے۔ بہتر یہ ہی کہ آپ میرے ساتھ یمن میں چلیں۔ میں ایک لاکھ جنگ آوروں کے ساتھ آپ کی مدد کرونگا۔ لیکن وہ راضی نہیں ہوئے۔

منصور اس زمانہ میں بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا۔ جب اس کو اطلاع پہنچی تو اسنے ربیع بن عبداللہ سے کہا کہ محمد نے تو بغاوت کا علم کھڑا کر دیا۔ اُس نے پوچھا کہ کہاں۔ جواب دیا کہ مدینہ میں۔ اُس نے کہا وہاں کیا ہی۔ نہ آدمی نہ سامان۔ اپنے آپ کو مفت تباہ کرلیا۔

منصور کو زیادہ خطرہ کوفہ کی طرف سے تھا۔ کیونکہ یہاں شیعہ آلِ علی کی کثرت تھی۔ اس لیے اُس نے فوراً پہنچکر اس کے دروازے بند کرا دیے۔ تاکہ باہر سے اسکا تعلق منقطع ہو جائے۔ اس کے بعد محمد نفس زکیہ کے نام خط لکھا۔

از جانب ابو جعفر عبداللہ بن محمد امیر المومنین بنام محمد بن عبداللہ۔

قرآن میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہی کہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑیں اور دنیا میں فساد پھیلائیں اُن کی سزا یہ ہی کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں۔ یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں برخلاف کاٹ لیے جائیں یا ملک بدر کر دیے جائیں۔ بجز ان لوگوں کے جو قبل اس کے توبہ کرلیں کہ تم اُن کے اوپر قابو پاؤ۔

اس لیے میں اللہ تعالےٰ اور اُس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا واسطہ دلاکر عہد و پیمان کرتا ہوں کہ اگر اس سے پہلے کہ میں تمھارے اوپر قابو پاؤں تم توبہ کرلوگے تو میں تمھاری اور تمھارے تمام بھائیوں۔ ساتھیوں اور معتقدوں کی جو اس بغاوت میں شریک ہیں جاں بخشی کردونگا۔ دس لاکھ درہم تم کو عطا کرونگا کہ جہاں چاہو وہاں رہو۔ اور تمھاری جو ضروریات ہوں گی اُن کو پورا

گرفتار ہوں گا۔ تمھارے اہل بیت اور شیعہ میں سے جو لوگ میرے قید خانوں میں ہیں اُن کو چھوڑ دونگا۔ اور کسی قسم کی تکلیف نہیں دونگا۔ اگر تم اس پر راضی ہو تو اپنے کسی معتمد کو بھیجدو وہ آکر مجھ سے عہد نامہ لکھوا لے۔

اس کے جواب میں نفس زکیہ نے لکھا کہ

از جانب محمد بن عبداللہ مہدی امیر المومنین بنام عبداللہ بن محمد۔

میں بھی تمھارے لیے اسی قسم کی امان پیش کرتا ہوں جس قسم کی تم نے میرے سامنے پیش کی ہے۔ تم جانتے ہو کہ خلافت ہمارا حق ہے۔ ہماری ہی فضیلتوں اور ہمارے ہی شیعوں کی بدولت تم نے اسکو حاصل کیا۔ ہمارے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وصی اور امام تھے۔ ہم جو اُن کے بیٹے ہیں زندہ ہیں۔ پھر ہمارے ہوتے ہوئے تم کیسے اس کے وارث ہو گئے۔ تمھیں یہ بھی خوب معلوم ہے کہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں بنی ہاشم میں سے جو فضائل اور مفاخر نسبی ہمکو حاصل ہیں وہ کسی کو حاصل نہیں ہوسکے۔ زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی فاطمہ بنت عمرو کے شکم سے ہم ہیں نہ کہ تم۔ تا صکر میں ہاشم کی اولاد میں نسب میں سب سے بہتر اور ماں اور باپ کے لحاظ سے سب سے بڑھکر ہوں۔ میری رگوں میں امہات اولاد کا غیر عربی خون مطلق نہیں ہے۔ میرے نسب کو اللہ تعالے نے ہمیشہ سے ممتاز رکھا۔ انبیاء میں سب سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں ان کا بیٹا ہوں۔ صحابہ میں میرے باپ حضرت علی ہیں جو اسلام میں سب سے اول۔ علم میں سب سے فائق اور جہاد میں سب سے افضل تھے۔ میری ماں حضرت خدیجہ ہیں جنھوں نے اس امت میں سب سے پہلے نماز پڑھی۔ میری ماں حضرت فاطمہ ہیں جو اُن کی بیٹیوں میں سب سے بہتر اور جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اسلام کے بعد ہاشم کے بہترین فرزند حضرت حسن اور حسین ہیں جو جنتی جوانوں کے سید ہیں ان میں سے نسب کے [illegible] ہوں۔

اب دیکھو! حضرت علی والدین کی طرف سے ہاشم کے بیٹے ہیں۔ امام حسن والدین کی طرف سے عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ اور میں والدین کی طرف سے رسول اللہ کا بیٹا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارا امتیاز ہمیشہ سے قائم رکھا۔ یہانتک کہ جہنم میں بھی اس نے اسکا لحاظ کیا۔ یعنی میں اُس شخص کا بیٹا ہوں جو جنت میں سب سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اور اس شخص کا بیٹا ہوں جو جہنم میں سب سے ہلکا عذاب پائے گا۔ اس طرح پر نیکوں میں سب سے بڑھکر نیک۔ اور گنہگاروں میں سب سے کمتر گناہگار کا فرزند ہوں۔

میں اللہ کو گواہ کرکے تم کو ہر چیز کی سوائے کسی حد شرعی یا کسی مسلمان یا معاہد کے حق کے جو تمہارے ذمہ عائد ہوتا ہو امان دیتا ہوں۔ اور میں بہ نسبت تمہارے عہد کا زیادہ پابند ہوں تم نے مجھے جو امان دی ہے وہ کونسی ہے۔ ابن ہبیرہ والی۔ یا وہ جو تم نے اپنے چچا عبداللہ یا ابومسلم کو دی تھی

عبرت کا مقام ہے کہ نسبی مفاخر جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نخوت جاہلیت قرار دے کر فتح مکہ کے دن پاؤں سے روند ڈالا۔ اور جس کو قرآن نے مٹا کر مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا اُنھیں کو یہ ائمہ اپنی امامت اور استحقاق خلافت کے ثبوت میں کس کس طرح سے پیش کرتے تھے۔ درحقیقت ان کے مقاصد شخصی تھے نہ کہ جمہوری۔

منصور کے پاس جب یہ خط پہنچا تو اس کے کاتب نے اس کا جواب لکھنے کی اجازت مانگی۔ منصور نے کہا کہ یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ جب حسب نسب اور خاندان کے جھگڑے آپڑے تو خود مجھے جواب لکھنا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے لکھا

از ابوجعفر عبداللہ بن محمد امیرالمومنین بنام محمد بن عبداللہ۔

تمہارا خط مجھکو ملا۔ عوام کو برانگیختہ کرنے اور جہلا میں مقبول بننے کے لیے تم نے نسبی مفاخر جوڑ رکھے ہیں جن کی ساری بنیاد عورتوں پر ہے۔ حالانکہ عورتوں کا وہ درجہ نہیں ہے جو چچا کا ہے۔

تم کو معلوم ہی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جسوقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا اسوقت ان کے چچاؤں میں سے چار شخص زندہ تھے۔ (حمزہ عباس۔ ابوطالب اور ابولہب) ان میں سے دو اسلام لائے جن میں سے ایک میرا باپ تھا۔ اور دو کافر رہے جن میں سے ایک تمھارا باپ تھا۔ تم نے عورتوں کا ذکر کر کے اُن کی قرابت پر جو فخر کیا ہی یہ نادانی ہی۔ اگر عورتوں کو نسبی فضیلت میں سے کوئی حصہ ملتا تو ساری فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ بنت وہب کے لیے ہوتی۔ لیکن اللہ تعالےٰ جس کو چاہتا ہی اسکو اپنے دین سے سربلند کرتا ہی۔
تعجب ہے کہ ابوطالب کی والدہ فاطمہ بنت عمرو پر بھی تم نے فخر کیا ہی۔ سوچو تو کہ اُن کے بیٹوں میں سے کسیکو بھی اللہ تعالےٰ نے اسلام کی ہدایت کی۔؟ اور اگر کرتا تو اس کے زیادہ حقدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ ہو سکتے تھے۔ لیکن وہ تو جس کو چاہتا ہی اُسی کو ہدایت کرتا ہی۔
تم نے اسپر بھی فخر کیا ہی کہ حضرت علی والدین کی طرف سے ہاشمی ہیں۔ اور حسنؓ والدین کی طرف سے عبدالمطلب کے بیٹے ہیں اور تمھارا نسب والدین کی طرف سے رسول اللہ تک پہنچتا ہی۔ اگر یہ واقعی کوئی فضیلت ہوتی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہوتے۔ لیکن وہ تو صرف ایک ہی طرف سے ہاشمی ہیں۔

پھر تم اپنے آپ کو رسول اللہ کا بیٹا کہتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کو اس سے قطعی انکار ہی اُس نے صاف صاف اپنی کتاب میں فرمادیا ہی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمھارے مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں تھے۔ ہاں تمھارا یہ کہنا درست ہی کہ تم ان کی بیٹی کی اولاد ہو۔ اور یہ بے شک ایک قریبی رشتہ ہی۔ لیکن اس کے ذریعہ سے کسی قسم کی میراث نہیں مل سکتی۔ اور نہ اس سے تم امامت کے حقدار ہو سکتے ہو۔

اسی قرابت کی بنیاد پر تمھارے باپ حضرت علی نے ہر طرح سے خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی حضرت

فاطمہ کو ابوبکرؓ سے لڑا کر رنجیدہ کرایا اسی غصہ میں ان کی بیماری کی بھی کسی کو اطلاع نہیں دی۔ اور جب انھوں نے انتقال کیا تو رات ہی کو ان کو لیجا کر دفن کر دیا۔ لیکن کوئی ابوبکر کو چھوڑ کر ان کی خلافت پر راضی نہیں ہوا۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں بھی وہ موجود تھے۔ لیکن یہ تم نے سنا ہوگا کہ آپ نے نماز پڑھانے کا حکم کسکو دیا تھا۔

ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ ان کے قائم مقام ہو گئے۔ اور پھر خلافت اصحاب شوریٰ میں آئی۔ اسمیں بھی وہ انتخاب میں نہ آسکے اور حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے۔ ان کے بعد انھوں نے حضرت طلحہ اور زبیر پر سختی کی۔ سعد بن وقاص سے بیعت لینی چاہی انھوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔

جب حضرت علی گذر گئے تو امام حسن ان کی جگہ پر آئے۔ معاویہ نے اُن کے اوپر شام سے لشکر کشی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے کچھ رقم لے کر اپنے شیعہ اور خلافت دونوں کو معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اور مدینہ میں چلے گئے۔ لہذا اگر تمہارا کچھ حق بھی تھا تو تم اُس کو فروخت کر چکے۔

تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالےٰ نے جہنم میں بھی تمہارے لیے امتیاز کا لحاظ رکھا کہ تمہارے باپ ابوطالب کو اس میں سب سے کمتر عذاب ملیگا نہایت افسوسناک ہے۔ اللہ تعالےٰ کا عذاب خواہ کم ہو یا زیادہ کسی مسلمان کے لیے فخر کی چیز نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کوئی فضیلت ہے۔

یہ جو تم نے لکھا ہے کہ تمھاری رگوں میں عجمی خون مطلق نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو سمجھتے ہو۔ حالانکہ وہ ہر لحاظ سے تم سے افضل تھے۔

خود تمھارے ہی خاندان میں زین العابدین تھے۔ وہ تمھارے دادا حسن بن حسن سے بہتر تھے۔ پھر اُن کے بیٹے محمد باقر تمھارے باپ سے بہتر اور اُن کے بیٹے جعفر صادق تم سے بہتر ہیں۔ حالانکہ ان سب کی رگوں میں عجمی خون ہے۔

تم یہ بھی دعویٰ کرتے ہو کہ نسب اور ماں باپ کے لحاظ سے تم کل بنی ہاشم سے افضل ہو۔ بنی ہاشم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ تمھیں یہ تو ہیش نظر رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے۔

صفین کے معرکہ میں تمھارے باپ حضرت علی نے پنچوں سے یہ پیمان کیا تھا کہ ان کے فیصلہ پر رضامند ہو جائیں گے۔ تم نے یہ سنا ہوگا کہ پنچوں نے ان کو خلافت سے معزول کیا تھا۔

یزید کے عہد میں تمھارے عم حسین بن علی ابن زیاد کے مقابلہ کے لیے کوفہ میں آئے۔ اور جو لوگ ان کے حامی تھے اُنھیں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ ان کے بعد تمھارے خاندان کے کئی آدمی یکے بعد دیگرے اُٹھے۔ بنی امیہ نے ان کو قتل کیا اور سولی پر چڑھایا۔ یہاں تک کہ ہم مستعد ہوئے اور ہم نے تمھارا اور اپنا سب کا انتقام اُن سے لے لیا۔ وہ نماز کے بعد جو تمھارے اوپر لعنتیں بھیجا کرتے تھے اس کو بند کیا۔ تمھارے رتبے بڑھائے۔ اب انھیں امور کو تم ہمارے سامنے بطور حجت کے پیش کرتے ہو۔

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے جو حضرت علی کی فضیلت کا اظہار کیا ہے تو اُن کو ہم عباس۔ حمزہ اور جعفر رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھکر تسلیم کرتے ہیں۔ وہ سب لوگ سالم اور محفوظ گذر گئے۔ اور حضرت علی ان جنگوں میں پڑے جن میں مسلمانوں کی خونریزی ہوئی۔

تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ زمانہ جاہلیت میں سقایتہ حاج اور زمزم کے متولی حضرت عباس تھے نہ کہ ابو طالب۔ حضرت عمر کی عدالت میں تمھارے باپ نے اس کا مقدمہ بھی پیش کیا لیکن فیصلہ ہمارے حق میں ہوا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جسوقت وفات پائی اسوقت ان کے اعمام میں سے سوائے حضرت عباس کے اور کوئی زندہ نہ تھا۔ اس لیے کل اولاد عبدالمطلب میں سے آنحضرتؐ کے

وارث وہی ہیں۔

پھر بنی ہاشم میں سے بہت سے لوگ خلافت حاصل کرنے کے لیے اُٹھے لیکن بنی عباس ہی نے اس کو حاصل کیا۔ لہٰذا قدیم استحقاق اور جدید کامیابی حضرت عباس اور ان کی اولاد ہی کے حصہ میں آئی۔

بدر کی لڑائی میں تمھارے چچا طالب اور عقیل کی وجہ سے مجبوراً حضرت عباس کو بھی آنا پڑا۔ ورنہ وہ دونوں بھوکوں مرجاتے یا عتبہ اور شیبہ کے پیالے چاٹتے۔ ہمارے ہی باپ کی بدولت اس ننگ و عار سے بچے۔ نیز آغاز اسلام میں قحط کے زمانہ میں حضرت عباس ہی نے ابو طالب کی امداد کی۔ پھر تمھارے چچا عقیل کا فدیہ بھی بدر میں اُنھوں نے ہی ادا کیا۔ الغرض جاہلیت اور اسلام دونوں میں ہمارے احسانات تمھارے اوپر ہیں۔ ہمارے باپ نے تمھارے باپ پر احسان کیے اور ہم نے تمھارے اوپر۔ اور جن رتبوں پر تم خود اپنے آپ کو نہیں پہنچا سکے تھے اُن پر ہم نے تم کو پہنچایا۔ اور جو انتقام تم خود نہیں لے سکے تھے وہ ہم نے لیے۔ والسلام

اس خط و کتابت کے بعد جس میں سوائے فخر و مباہات اور اظہار عیوب کے اور کچھ نہ تھا جنگ کا سامان ہونے لگا۔ منصور کو یہ ڈر تھا کہ کہیں اہل خراسان کو محمد کے خروج کی خبر نہ ملے۔ ورنہ وہ بھی ان کی حمایت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ کیونکہ ابو مسلم کے قتل کی وجہ سے بنی عباس سے وہ بیزار ہو گئے تھے۔ اس لیے اس نے مشرق کے راستے بند کر دیے تاکہ اُن کو کسی قسم کی اطلاع نہ پہنچ سکے۔

محمد کے مقابلہ کے لیے عیسٰی بن موسٰی ولی عہد کو منتخب کیا۔ وہ ایک لشکر لے کر مدینہ پہنچا۔ اور وہاں کے رؤسا کو خط لکھا کہ وہ اس فتنہ میں نہ پڑیں۔ اور اپنے جان و مال کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ چنانچہ بہت سے اہل مدینہ نے محمد کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور عیسٰی کے پاس

چلے آئے۔ ان میں چند افراد اہل بیت کے بھی تھے۔

محمد نے مدینہ کے گرد حفاظت کے لیے خندق کھود دی تھی۔ عیسٰے نے چاروں طرف سے محاصرہ کیا۔ محمد نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھکر اطاعت نامہ لکھکر بھیجا۔ لیکن عیسٰے نے اسکا کچھ جواب نہیں دیا۔ آخر وہ اپنے خاص حامیوں کو جن کی تعداد تین اور چار سو کے درمیان تھی ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ کو لے کر میدان میں نکلے۔ اور لڑ کر مقتول ہوئے۔ ان کا سر منصور کے پاس بھیجا گیا۔ عیسٰے مدینہ میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے بنی حسن کے اموال ضبط کیے اور اہل مدینہ کو امان عام دے کر ۱۹ رمضان کو مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

ابراہیم

امام محمد کے بھائی ابراہیم بصرہ میں تھے۔ یہاں بہت سے لوگوں نے ان کی حمایت کی بیعت کی تھی۔ محمد کے خروج کے چند روز کے بعد اُنھوں نے بھی اپنی امامت کا جھنڈا بلند کیا۔ اور بصرہ سے اہواز تک قبضہ کر لیا۔ منصور نے عیسٰی کو جو مدینہ کی مہم سے فارغ ہو چکا تھا لکھا کہ عجلت کے ساتھ پہنچکر اس مہم کو بھی سر کرو۔

اسی دوران میں ابراہیم کو اپنے بھائی محمد کے قتل کی خبر ملی۔ اس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۵ھ کو عیسٰے نے پہنچکر ان کو قتل کیا۔

یہ دونوں بھائی آل علی میں۔ شجاعت۔ تقوے۔ علم اور عمل میں ممتاز تھے۔ لیکن تقدیر نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں امام مالک رح نے محمد کی بیعت کا فتوی دیا تھا۔ عباسیوں نے اُن کو کوڑوں سے پٹوایا۔ اور عراق میں امام ابو حنیفہ رح نے ابراہیم کی حمایت کی تھی۔ اسی وجہ سے منصور نے ان کو بغداد میں لیجا کر قید کر دیا۔ اسی قید میں ۱۵۰ھ میں اُنھوں نے وفات پائی۔

خراسانیوں کی طرف سے منصور کو خطرہ تھا - کہ کہیں وہ آل علی پر اُس کی اُن سختیوں کو دیکھ کر مخالف نہ ہو جائیں - اس لیے معذرت میں اُن کے امرا کی ایک جماعت کے سامنے اس نے ایک طویل تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے -

اہل خراسان! تم ہمارے شیعہ - ہمارے مددگار اور ہماری دولت کے بانی ہو - اگر تم ہم کو چھوڑ کر کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرتے تو وہ ہم سے بہتر نہ ہوتا - اہل بیت جو ہمارے ہی بنی عم ہیں ان کو اور خلافت کو ایک مدت تک ہم نے چھوڑ رکھا - اور کچھ نہیں بولے کہ دیکھیں یہ کیا کرتے ہیں -

ان میں سے سب سے پہلے حضرت علی کے ہاتھ میں خلافت آئی - ان کا دامن مسلمانوں کے خون میں آلودہ ہوا - اور ان کے عہد میں امت میں تفرقہ پڑ گیا - دونوں طرف سے پنچ مقرر ہوئے جنھوں نے بالاتفاق ان کو معزول کیا - اور جب اُنھوں نے اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا تو انھیں کے خاص اعوان وانصار میں سے جنھیں اُن کو اعتماد تھا لوگ اُٹھے اور اچانک ان کو قتل کر ڈالا - ان کے بعد امام حسن انکے جانشین ہوئے - اُنھوں نے کچھ نہ کیا - معاویہ نے ان کے سامنے مال پیش کیا اور مخفی طور پر یہ کہلا بھیجا کہ اپنے بعد میں تم کو اپنا ولیعہد بنا دوں گا - اس دھوکہ میں اُنھوں نے خلافت معاویہ کے سپرد کر دی - اور مدینہ میں آکر اپنا وقت عورتوں میں گذارنے لگے - روز ایک نکاح کرتے تھے - اور روز ایک طلاق دیتے تھے - یہاں تک کہ انھیں مشاغل میں اُنھوں نے اپنے بستر پر وفات پائی -

پھر ان کے بھائی حسین اُٹھے - ان کو کوفہ والوں نے جو اہل نفاق ہیں بلایا اور قتل کرا دیا - ان کے بعد انھیں کوفیوں نے زید بن علی کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی - زید کو میرے چچا داؤد بن علی اور امام محمد باقر نے روکنے کی بہت کوشش کی اور سمجھایا - لیکن اہل کوفہ نے ان کو اتنا ابھارا کہ وہ باز نہیں رہے - اور پھر جب وقت آیا تو ان کا ساتھ چھوڑ بیٹھے - نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قتل ہوئے - اور انکا جسم سولی پر لٹکا دیا گیا -

بنی امیہ نے اس عتاب میں بنی عباس پر بھی سختیاں شروع کیں۔ اور ہماری عزت اور عظمت کو اُنھوں نے مٹا دیا۔ ہم کو قیدیوں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے لگے۔ کبھی طائف میں کبھی شام میں۔ کبھی شراۃ میں۔

اس مصیبت میں اللہ تعالے نے تمھارے دلوں کو ہماری حمایت کے لیے آمادہ کر دیا جس کی بدولت ہمارا حق اور مٹا ہوا عزو شرف ہم کو حاصل ہو گیا۔ اور خلافت اس کے اصلی وارثوں کے پاس آگئی۔ اب ہماری خلافت کے قائم ہو جانے کے بعد یہ لوگ جنسے پہلے کچھ نہیں ہو سکا تھا از روئے حسد اور عداوت کے بغاوتیں کرتے ہیں ہم جسقدر ان کے ساتھ احسان کرتے ہیں اسی قدر یہ سرکشی پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اور نقض بیعت اور شورش کرکے خود اپنے خون اور مال کو ہمارے لیے حلال کرتے ہیں۔

نظم ولایات

ملکی انتظام جس طریق پر بنی امیہ کے عہد میں تھا اسی طریق پر بنی عباس کے زمانہ میں بھی رہا۔ ہر ولایت میں خلیفہ کی طرف سے ایک والی مقرر ہوتا تھا۔ جس کے چار فرائض تھے۔ **جہادِ کفار۔ اقامتِ صلوٰۃ۔ تحصیلِ خراج۔ حفظِ امن۔** ان امور میں سے والی جس کے لیے چاہتا تھا اپنی طرف سے نائب مقرر کر دیتا تھا۔ قاضی کو خود خلیفہ مقرر کرتا تھا۔ اور جن صوبوں میں جنگ کا زیادہ خطرہ رہتا تھا وہاں امیر الجیش بھی براہ راست دربار خلافت سے بھیجا جاتا تھا۔

ولایات بھی محدود اور متعین نہ تھیں۔ کبھی دو دو ولایتیں ایک ہی والی کے سپرد کر دی جاتی تھیں۔ اور کبھی ایک ہی ولایت کے دو حصے کرکے اُن میں دو والی مقرر کر دیے جاتے تھے۔

منصور کے زمانہ میں زیادہ تر اسی کے اہل خاندان اور موالی صوبوں کی حکومتوں پر رہے۔ خلفاء عباسیہ بالعموم اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی والی کسی ولایت میں زیادہ عرصہ تک رہے۔ کیونکہ ان کو یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں یہ اپنے استقلال کا دعوٰے نہ کر بیٹھے۔

وزارت

عہد بنی امیہ میں وزیر کا عہدہ نہیں تھا۔ ارکان سلطنت امیر اور مشیر کہے جاتے تھے۔ عباسیوں کے زمانہ میں سب سے پہلے **ابوسلمہ** خلال اس لقب سے مشہور ہوا۔ سفاح نے جب اس کو قتل کرا دیا تو **خالد** بن برمک کو اس عہدہ پر مقرر کیا۔ یہ بنی عباس کا داعی تھا اور انکی خلافت قائم کرنے میں اس نے خراسان میں بڑی خدمت انجام دی تھی۔ چونکہ یہ نہایت دانشمند فیاض اور ہر دلعزیز امیر تھا اس لیے سفاح نے اس کو وزارت کے لیے منتخب کیا۔ لیکن ابوسلمہ کے اوپر جو واقعہ گذرا تھا اس ڈر سے یہ اپنے آپ کو وزیر نہیں کہتا تھا۔

منصور کی طبیعت میں استبداد تھا۔ اور وہ اختیارات کو کسی شخص کے ہات میں دینا پسند نہیں کرتا تھا اس وجہ سے اس کے زمانہ میں وزارت کی کوئی شان یا اہمیت نہیں تھی چنانچہ خالد اس عہدہ کو چھوڑ کر ایک صوبہ کی ولایت پر چلا گیا۔

ابوایوب

خالد کی جگہ پر ابو ایوب موریانی وزیر ہوا۔ یہ اہواز کے ایک گاؤں موریان کا باشندہ اور عہد بنی امیہ میں **سلیمان** بن حبیب بن مہلب بن ابی صفرہ کا کاتب تھا۔ منصور اس زمانہ میں سلیمان کی ماتحتی میں کسی ضلع کا عامل ہوا۔ سلیمان نے اس کے اوپر غبن کا الزام قائم کر کے کوڑوں سے پٹوایا اور چاہتا تھا کہ قتل کر دے۔ ابو ایوب نے اس کو بچا لیا۔ اس

احسان کے بدلہ میں جب خلیفہ ہوا تو اس کو اپنا وزیر بنایا۔ لیکن ابوایوب چونکہ اس کی خصلت سے واقف تھا اس لیے اس کے سامنے نہیں جاتا تھا اور ہر وقت اس سے خوف زدہ رہتا تھا۔ آخر کار اس کا یہ خوف صحیح نکلا۔ ۱۵۳ھ میں منصور نے اس پر عتاب نازل کیا۔ اس کو اور اسکے اہل خاندان کو سخت سزائیں دیکر قید کر دیا اور ان کے اموال ضبط کر لیے۔

ربیع بن یونس حاجب

منصور نے ابوایوب کو قید کر کے ربیع کو وزارت کا منصب دیا۔ یہ حضرت عثمان بن عفان کے غلام کیسان کی اولاد میں سے تھا۔ نہایت بیدار مغز۔ ہوشمند۔ فصیح و بلیغ۔ فیاض و عقیل اور حساب و کتاب میں ماہر تھا۔ منصور نے جس وقت مکہ میں وفات پائی یہ ساتھ تھا۔ اور اسی نے اس کے بیٹے مہدی کے لیے بیعت لی۔ ہادی کے زمانہ تک برابر اپنے منصب پر قائم رہا۔ اور ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔ یہ اگرچہ فرائض وزارت کے انجام دیتا تھا لیکن اس کا لقب حاجب تھا۔

حاجب

حجابت اس عہد کا ایک ممتاز منصب تھا۔ بلا اجازت حاجب کے کوئی شخص خلیفہ کے سامنے نہیں جا سکتا تھا۔ خوارج نے حضرت علی اور امیر معاویہ وغیرہ پر جس وقت حملے کیے اسوقت سے خلفاء نے اس عہدہ کو قائم کیا تاکہ کوئی اچانک پہنچ کر ان کو قتل نہ کر سکے۔ بڑے بڑے امور سلطنت میں حاجب کا مشورہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور خلافت عباسیہ میں یہ عہدہ نہایت جلیل القدر تھا۔

کتابت

حاجب کے بعد کاتب یعنی میر منشی کا رتبہ تھا۔ یہ خلیفہ کے دربار سے حکام ولایات کو

تمام خطوط اور فرامین لکھ کر بھیجتا تھا۔ کبھی کبھی وزارت اور کتابت دونوں کام ایک ہی شخص کے سپرد ہوتے تھے۔

قضاء

ہر بڑے شہر میں فیصلۂ مقدمات کے لیے ایک قاضی مقرر ہوتا تھا۔ منصور کے زمانہ تک قاضی القضاۃ کا عہدہ نہیں نکالا گیا تھا۔ اس عہد کے مشہور ترین قاضی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ تھے جو اصحاب رائے میں سے تھے۔ یہ تیس سال تک کوفہ میں قاضی رہے۔ ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

صاحب شرطہ

اس عہدہ پر توانا۔ عاقل اور بیدار مغز امرا مقرر کیے جاتے تھے۔ جو امن قائم رکھیں اور چوری۔ رہزنی اور دیگر جرائم کا انسداد کریں۔

ہر صوبہ اور ہر شہر میں حکومت کا نظام تقریباً یہی تھا۔

فوج

ہر سلطنت انھیں لوگوں سے اپنی فوج مرتب کرتی ہے جن پر اعتماد ہوتا ہے۔ بنی امیہ کے عہد تک فوج میں تمام تر عرب تھے۔ اور اس کی قیادت اور امارت بھی انھیں کے ہاتھوں میں تھی۔ بنی عباس نے چونکہ اپنی خلافت خراسانیوں کی امداد سے قائم کی اس لیے انکے زمانہ میں ایک بڑی تعداد اہل مشرق کی فوج میں شامل ہو گئی۔

ابومسلم خراسانی افواج کا امیر تھا۔ اور **عبداللہ بن علی** عربی افواج کا۔ جب خراسانیوں نے عبداللہ بن علی کو نصیبین میں شکست دی اور عربی افواج کو مغلوب کر لیا تو ان کے اوپر اور بھی اعتماد بڑھ گیا۔ لیکن منصور اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ خراسانیوں کی قوت

بڑھ جائے۔ اس لیے اس نے ابومسلم کو قتل کرادیا۔ اور اپنے خاندان اور موالی میں سے بہت سے لوگوں کو فوج کی امارت دی۔ چنانچہ محمد اور ابراہیم کے مقابلہ میں خود سعید سلطنت عیسیٰ کو بھیجا۔

معن بن زائدہ

منصور کے مشہور سپہ سالاروں میں سے معن بن زائدہ ہے۔ عہد بنی امیہ میں یہ ابن ہبیرہ امیر عراقین کی ماتحتی میں تھا۔ واسط کے محاصرہ کے زمانہ میں اس کا ساتھ دیا اور بہادری کے ساتھ مدافعت کی۔ اس کے قتل کے بعد منصور کے خوف سے روپوش ہوکر جابجا پھرنے لگا۔ اتفاق یہ ہوا کہ خراسانیوں کی ایک جماعت جس میں تقریباً چھ سو آدمی تھے منصور سے ابومسلم کا قصاص لینے کے لیے مستعد ہوئی۔ یہ لوگ کاشان کے متصل مقام بلیدہ میں جمع ہوئے۔ اور وہاں سے روانہ ہوکر انبار میں پہنچے۔ جب شہر میں داخل ہو گئے تو منصور کو اطلاع ملی۔ وہ مقابلہ کے لیے نکلا۔ معن اسوقت شاہی قصر کے سامنے موجود تھا۔ اس نے خلیفہ کی رکاب پکڑلی۔ اور کہا کہ آپ واپس جائیے۔ ہم مقابلہ کے لیے کافی ہیں۔ منصور نے واپسی سے انکار کیا۔ اسی درمیان میں خراسانی وہاں پہنچ گئے اور اس کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ معن نے تھوڑے سے آدمیوں کی مدد سے ان کو مار کر بھگا دیا۔ اور اپنی سپہ گری کا جوہر دکھلا دیا۔ منصور اس کی بہادری سے حیران رہگیا۔ اس کو **شیر مرد** کا خطاب دیا۔ اور جب نام اور حال سے آگاہ ہوا تو امان عطا کی اور دس ہزار درہم صلہ دے کر یمن کی امارت پر بھیجدیا۔ وہاں اس نے بغاوتوں کو مٹا کر امن و امان قائم کیا۔ اور نہایت لیاقت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔ جب سیستان میں شورش بڑھی تو منصور نے اس کو وہاں کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے اس صوبہ کو بھی ٹھیک کیا۔ ۱۵۱ھ میں وہیں خارجیوں نے اس کو بخبری

میں قتل کر ڈالا۔ معن حلم و دانائی میں ممتاز۔ سخاوت میں حاتم اور شجاعت میں رستم تھا۔

عمرو بن العلاء

یہ بھی منصور کے امرار فوج میں سے تھا۔ طبرستان کے اطراف میں جو بغاوتیں ہوئیں ان کو اس نے فرو کیا۔ اسپہبد کے قلعہ کو لیا۔ اور مصمغان کے بادشاہ کو شکست دے کر اس کے ملک پر قبضہ کیا۔

دار الخلافہ

سفاح نے انبار کو دار الخلافہ بنایا تھا۔ اور اس کے متصل ہاشمیہ میں ایک قصر تعمیر کرایا تھا۔ منصور جب خلیفہ ہوا تو ہاشمیہ میں گیا۔ پھر اس نے چاہا کہ ایک نیا دار الخلافہ بنائے۔ اس کے لیے بغداد کا موقع منتخب کیا۔ کیونکہ یہ دجلہ کے ساحل پر تھا جہاں چین اور ہند سے ہر قسم کی تجارتی چیزیں نیز جزیرہ و آرمینیہ کی پیداوار کشتیوں کے ذریعہ آسکتی تھیں۔ دوسری طرف دریائے فرات تھا جس سے شام اور رقہ کے پھل اور میوے پہنچ سکتے تھے۔

اس نے اس کی داغ بیل دجلہ اور فرات کے مابین نہر صرہ کے کنارے پر ڈالی۔ اور اس کو اپنے مرتب کیے ہوئے نقشہ کے مطابق آباد کیا۔ شہر کی بنیاد مدور رکھی۔ اور دو فصیلیں بنائیں۔ ایک اندر جو قصر اور کارخانہ جات خلافت کے احاطہ کے لیے تھی۔ دوسری شہر کے باہر پھر ایک نہر دجلہ سے اور دوسری فرات کی شاخ کرخایا سے نکال کر شہر میں پہنچائی۔ جن کے ذریعہ سے ہر جگہ پانی پہنچنے لگا۔

وسط شہر میں جامع مسجد تھی اور اُسی سے ملحق قصر خلافت تھا۔ اس کے صدر میں ایک ایوان تیس گز لانبا اور بیس گز چوڑا بنایا گیا۔ اس کا گنبد سبز تھا۔ اس لیے اس کا نام قبۃ خضرار رکھا گیا۔ سطح زمین سے اس کی بلندی اسّی گز تھی۔ اس کے اوپر ایک سوار کی مورت

بنائی گئی جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔

محلہ کرخ میں چار نہریں پہنچائی گئیں۔ نہر وجاج - قلائین - طابق - بزازین۔

منصور نے اپنے لیے ایک قصر دریا کے کنارے بھی بنوایا اور اس کا نام خلد رکھا۔ ۱۵۱ھ میں ولیعہد مہدی کے لیے رصافہ کو آباد کرایا۔ اور اس میں قصور اور محلات تعمیر کرا کے نہریں نکلوائیں۔ باغات اور میدان کی زمینیں چھوڑ کر اس کے ارد گرد بھی فصیل بنوائی۔ اور خندق کھدوائی۔

بغداد کی تعمیر میں منصور نے تقریباً دو کروڑ دینار صرف کیے۔ اور جب عمارتیں طیار ہو گئیں تو جابجا سے اہل علم وفن اور اہل صنعت وحرفت کو بلا کر وہاں جمع کیا۔ کثرت کے ساتھ لوگ آکر آباد ہوئے۔ تجارت کی بھی گرم بازاری ہوئی۔ اور اس عہد میں یہ دنیا کا بے نظیر شہر ہو گیا۔

احوال خارجیہ

منصور کے عہد میں عبدالرحمٰن بن معاویہ جو بقایائے بنی امیہ میں سے تھا بھاگ کر اندلس میں چلا گیا۔ اور وہاں اس نے اپنی مستقل حکومت قائم کر لی۔ منصور اگرچہ اس کا دشمن تھا لیکن اسکی اولوالعزمی۔ عالی ہمتی اور بہادری کی ہمیشہ تعریف کرتا تھا۔ کہ اتنے دور دست ملک میں اکیلے جا کر اس نے کس طرح سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

روم میں منصور کا معاصر قسطنطین خامس تھا۔ اس کے ساتھ شمال میں برابر جنگ جاری تھی۔ ۱۳۸ھ میں قسطنطین نے اسلامی چھاؤنی ملطیہ کو لوٹ لیا۔ اور ویران کر ڈالا۔ منصور نے اپنے چچا صالح بن علی اور اپنے بھائی عباس بن محمد کو فوجوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں نے پہنچکر رومیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ اور ملطیہ کی از سر نو تعمیر کی۔

ام عیسیٰ اور لبابہ نے جو صالح کی بہنیں تھیں یہ منت مان رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالےٰ بنی امیہ کی خلافت کو مٹا دے گا تو ہم راہ حق میں جہاد کریں گے۔ چنانچہ اس لڑائی میں اُنھوں نے اپنی نذریں پوری کیں اور دونوں شریک ہوئیں۔

رومیوں نے صلح کی۔ اور مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

سنہ ۱۴۰ھ میں پھر اُنھوں نے سر اُٹھایا۔ منصور نے حسن بن قحطبہ اور عبدالوہاب بن ابراہیم کو صائفہ فوج کے ساتھ بھیجا۔ رومی اسلامی فوج کی آمد کا حال سنکر پلٹ گئے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب موقع پاتے تھے اسلامی سرحد میں گھسکر لوٹ مار کرتے تھے۔ اور پھر بھاگ جاتے تھے۔ سنہ ۱۵۵ھ میں اُنھوں نے مصالحت کا عہد کیا۔

مشرقی سرحدوں پر بھی شورشیں برپا تھیں لیکن منصور نے بیدار مغزی کے ساتھ فوجوں کا انتظام کیا جس کی وجہ سے ہر جگہ امن قائم ہو گیا۔

صفاتِ منصور

شجاعت۔ عالی ہمتی۔ بیدار مغزی۔ علم اور مدبری کے لحاظ سے منصور خلفاء عباسیہ میں سب سے فائق تر تھا۔ اس خلافت کا بانی اور اس کا رعب و اقتدار قائم کرنے والا دراصل وہی تھا۔ کام سے وہ کبھی تھکتا نہ تھا۔ صبح سے عصر تک انتظام فوج۔ تدبیر مہمات اور رعایا کے معاملات کے انصرام میں مصروف رہتا عصر کی نماز کے بعد اپنے ناتے داروں اور اہل و عیال کو دیکھتا۔ پھر شام کو لوگوں کے ساتھ بیٹھتا۔ عشا کی نماز کے بعد اطراف ممالک سے جو خطوط اور اطلاعات موصول ہوتی تھیں ان کو پڑھتا۔ پھر سو جاتا۔ رات کے آخری حصہ میں اُٹھکر اطمینان کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھتا۔ جب صبح صادق طلوع ہوتی تو مسجد میں جاکر فجر کی نماز پڑھاتا۔ اس سے فارغ ہو کر ایوان خلافت میں آکر بیٹھ جاتا۔ اور کام شروع کر دیتا۔

جسوقت تک وہ دربار میں رہتا تھا لوگ اس کے رعب سے لرزتے تھے۔ لیکن جب وہ گھر یا مجلس میں بیٹھتا تھا تو خنداں اور بشاش رہتا تھا۔

ایک بار دربار میں اس نے کہا کہ سلطنت کے لیے چار قسم کے آدمیوں کی سخت ضرورت ہے۔ اور وہی دراصل حکومت کے ارکان ہیں۔ لوگوں نے تفصیل دریافت کی۔ کہا کہ ایک قاضی جو بلا رو رعایت اور بلا خوف ملامت محض حق کو پیش نظر رکھکر فیصلے کرے۔ دوسرا صاحب شرطہ جو کمزور پر قوی کا ہاتھ نہ بڑھنے دے۔ تیسرا صاحب خراج جو رعایا سے نرمی اور ایمانداری کے ساتھ تحصیل کرے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ اور چوتھا۔ ہائے چوتھا۔ یہ کہکر اپنی انگلی دانتوں سے کاٹنے لگا۔ لوگوں نے پوچھا تو کہا کہ دیانت دار پرچہ نویس ہے جو ان سب کی خبریں صحیح صحیح بے کم و کاست خلیفہ کو لکھتا ہے۔

منصور کو یہ معلوم تھا کہ جاسوسی کا صیغہ چھوڑ دینے کی بدولت بنی امیہ تباہ ہوئے۔ اس لیے اس نے اس کی طرف بہت توجہ کی۔ اس کی خواہش تھی کہ اپنے اہل خاندان کو اس کام کے لیے متعین کرے۔ لیکن اس میں ان کی ذلت سمجھکر اپنے غلاموں کو مقرر کیا۔ ہر مقام سے روزانہ قاضیوں کے فیصلے۔ عمال کی کارروائیاں۔ اور بازاروں کے اجناس کے نرخ وغیرہ ہر قسم کی خبروں کے پرچے اس کے پاس پہنچتے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ جزئیات سے باخبر رہتا تھا۔ اور جہاں کہیں کوئی خرابی دیکھتا تھا فوراً اس کا تدارک کر دیتا تھا۔

ایک بار ایک عرب کو حضرموت کا والی بنا کر بھیجا۔ اس کی نسبت خبریں پہنچیں کہ وہ زیادہ تر اپنے اوقات شکار میں گذارتا ہے۔ منصور نے اس کو معزول کر دیا اور لکھا کہ میں نے تم کو رعایا کے انتظام کے لیے بھیجا تھا نہ کہ وحشی جانوروں کے شکار کے لیے۔

منصور کی سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ وہ شدائد اور مصائب میں مستقل اور ثابت قلب

رہتا تھا۔ جسوقت وہ خلیفہ ہوا تھا۔ اس کے اردگرد ہر طرف خطرات تھے۔ لیکن اُس نے اپنی اولوالعزمی اور ثبات قلب کی وجہ سے ان سب پر غلبہ حاصل کرلیا۔

منصور کفایت شعاری میں مشہور تھا۔ سلطنت کی آمدنی اور اخراجات پر نہایت غائر نظر رکھتا تھا۔ شاعروں کو بھی کبھی کوئی بڑا صلہ نہیں دیا۔ خود اپنے اور اپنی اولاد کے اخراجات میں بھی تخفیف مدنظر رکھتا تھا۔ پرانے کپڑوں میں پیوند لگواکر پہنتا تھا۔ عمال کی تنخواہ اس نے صرف تین سو درہم ماہوار رکھی تھی۔ یہی **مامون** کے عہد تک قائم رہی۔ **فضل** بن سہل نے اپنی وزارت میں اس کو بڑھایا۔

یہ منصور کی کفایت شعاری ہی کا نتیجہ تھا کہ جب اُس نے وفات پائی تو خزانے اسقدر معمور تھے کہ مہدی ان کو اپنی زندگی بھر بیدریغ خرچ کرتا رہا اور کبھی اس کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ یہ ختم ہوجائیں گے۔

منصور علم قرآن و حدیث میں بلند پایہ رکھتا تھا۔ اور اس کی تقریر نہایت فصیح اور دلکش ہوتی تھی۔

سیاسی قابلیت کے لحاظ سے بنی اُمیہ میں جو رتبہ **عبدالملک** بن مروان کا تھا وہی بنی عباس میں اس کا تھا۔ لیکن اس میں بدعہدی زیادہ تھی جو کسی طرح خلفاء اور سلاطین کیلیے زیبا نہیں ہے۔ **ابن ہبیرہ** کو عہدنامہ لکھدینے کے بعد اس نے قتل کر دیا۔ اپنے چچا **عبداللہ** کو امان دے کر پھر قید کیا۔ اسی طرح **ابومسلم** کو عزت سے بلایا اور ذلت سے قتل کرایا۔

اروے بنت منصور حمیری کے ساتھ یہ عہد لکھکر شادی کی تھی کہ اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کریگا۔ لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنی چاہی۔ اور جابجا سے فقہا سے اس معاملہ میں فتوے طلب کرنے لگا۔ تاکہ اس کی

بدنامی انھیں حاملان شرع کے اوپر ہے۔ مگر اروائے بھی ہوشمند عورت تھی۔ وہ جب سنتی کہ فلاں فقیہ سے خلیفہ نے اس معاملہ میں استفتا کیا ہی تو اپنے غلاموں کے ہاتھ اس کے پاس اشرفیوں کے توڑے بھیجدیتی۔ اور اصل حقیقت سے اس کو آگاہ کرکے اس کے قلم کو روک دیتی۔

وفات

۱۵۸ھ میں منصور حج کو جارہا تھا۔ راہ میں بیمار ہوا۔ اور مکہ کے متصل مقام بر میمون میں پہنچکر ۶ ذی حجہ ۱۵۸ھ مطابق ۸ اکتوبر ۷۷۵ء کو انتقال کرگیا۔ ربیع حاجب نے اہل بیت خلافت اور امرا فوج کو جو ساتھ تھے جمع کیا۔ اور مہدی بن منصور کے لیے بیعت لی۔

پھر عباس بن محمد بن علی اور محمد بن سلیمان بن علی کو مکہ میں بھیجا انھوں نے وہاں خلیفہ کی وفات کا اعلان کیا۔ اور مقام ابراہیم اور رکن کے درمیان کھڑے ہوکر اہل حرم سے بیعت لی۔ منصور کی مدت خلافت ۱۷ دن کم ۲۲ سال رہی۔

اولاد

منصور نے آٹھ بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔

محمد مہدی اور جعفر اکبر۔ دونوں بنت منصور حمیری کے شکم سے تھے۔

سلیمان۔ عیسٰی اور یعقوب۔ ان کی ماں فاطمہ تھی جو حضرت طلحہ رضہ کی اولاد میں سے تھی۔

جعفر اصغر۔ یہ ایک کردی کنیز کے شکم سے تھا۔

سالم۔ اس کی ماں ایک رومی ام ولد تھی۔

عالیہ۔ اس کی والدہ بنی امیہ میں سے تھی۔ یہ اسحاق بن سلیمان بن علی کے ساتھ بیاہی گئی۔

(۳) مہدی

محمد مہدی بن ابو جعفر منصور۔ اس کی والدہ اروی حمیری تھی۔ ولادت ۱۲۶ھ میں ہوئی۔

۱۵ سال کے سن میں ۱۴۱ھ میں منصور نے اس کو امیر الجیش بنا کر خراسان میں بھیجا۔ وہاں کے عامل عبدالجبار بن عبدالرحمن نے بغاوت کی تھی۔ اس نے اس مہم کو سر کیا۔ اس کے بعد طبرستان میں جہاد کیا۔ ۱۴۴ھ میں واپس آیا۔ منصور نے اس کی شادی ریطہ بنت سفاح کے ساتھ کی۔ اور عیسیٰ بن موسیٰ ولیعہد کو موخر کر کے ۱۴۷ھ میں اس کی ولیعہدی کا فرمان لکھا۔ اور رے کا والی بنا کر بھیجدیا۔ وہاں چار برس رہکر ۱۵۱ھ میں واپس آیا۔ منصور نے بغداد کے مشرقی حصہ میں رصافہ اسی کے لیے تعمیر کرایا۔ ۱۵۳ھ میں اس کو امیر الحج مقرر کیا۔ منصور کی وفات کے دن ۶ ذیحجہ ۱۵۸ھ میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔

احوال داخلیہ

مہدی کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں۔ جسقدر مخالف یا حریف تھے اُن سب کا استیصال ہو چکا تھا۔ آل علی کی طاقت مٹ چکی تھی۔ اور انمیں سے جو بڑے بڑے لوگ تھے وہ بغداد میں زیر حراست تھے۔ بقیہ مدینہ میں تھے جن پر وہاں کے امیر کی نگرانی تھی۔ اور وہ روزانہ اُن کی حاضری لیتا تھا۔ ان وجوہات سے مہدی نے ان سختیوں کا جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا جو منصور کے زمانہ میں تھیں۔ چنانچہ اُس نے تمام

سیاسی قیدیوں کو جو بیشتر بدگمانی پر پکڑے گئے تھے چھوڑ دیا۔

اس کا عہد خوشحالی اور فارغ البالی کا تھا۔ کسی قسم کی شورش نہیں تھی۔ اسوجہ سے اس نے اپنی توجہ زیادہ تر اصلاحات کی طرف مبذول کی۔ منصور کے بعد اس کا عہد بہت سی باتوں میں عبدالملک کے بعد ولید کے عہد سے مشابہ ہے۔

اس نے مکہ کے راستوں میں جابجا قافلوں کے ٹھہرنے کے لیے سرائیں بنوائیں۔ قادسیہ سے زبالہ تک سفاح کے زمانہ میں جو راستہ بنایا گیا تھا وہ خراب ہو گیا تھا۔ اس کو درست کرایا اور اس میں جو سرائیں تھیں ان کی مرمت کرائی۔ ہر ہر منزل پر کنوے کھدوا کر ان کے متصل حوض بنوا دیے۔ اور حکم دیا کہ یہ ہمیشہ بھرے رکھے جائیں تاکہ گذرنے والے قافلوں کے جانوروں کو پانی آسانی سے مل سکے۔ یہ عام قاعدہ مقرر کر دیا کہ ہر جذامی کو بیت المال سے وظیفہ دیا جائے تاکہ روزی کی تلاش میں جابجا راستوں میں ان کو نہ گھومنا پڑے اور یہ متعدی مرض پھیلنے نہ پائے۔ نیز قیدیوں کے عیال کو بھی جنکے گذر کی کوئی صورت نہ ہو روزینہ دیا جایا کرے۔ مکہ۔ مدینہ۔ یمن اور عراق میں برید کا سلسلہ قائم کیا۔ اور مسجد حرم کو اردگرد کے مکانات خرید کر بڑھایا۔

اس کو اپنی نام آوری کا اسقدر شوق تھا کہ مسجد نبوی پر سے ولید بن عبدالملک کے نام کو مٹا کر اپنا نام لکھوا دیا۔ تاریخ میں اس قسم کے اور بھی بعض بعض ملوک اور امراء ملتے ہیں جو آثار سلف پر سے ان کے ناموں کو مٹا کر اپنے نام کندہ کرا دیتے تھے۔ تاکہ وہ ان کی یادگار سمجھے جائیں۔ لیکن یہ ایک قسم کا احمقانہ فعل ہے۔ جو کسی بازاری آدمی کے لیے بھی زیبا نہیں چہ جائیکہ سلاطین کو۔

فتنۂ زنادقہ

مہدی کے زمانہ میں مرو کے کسی گاؤں میں ایک شخص **مقنع** خراسانی نمودار ہوا جو تناسخ ارواح کا قائل تھا۔ اس نے ہزاروں مسلمانوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے گمراہ کر ڈالا۔ پھر ماوراء النہر میں جا کر اس کی اشاعت کرنے لگا۔ مہدی دین کے معاملہ میں بہت سخت تھا۔ اس نے **معاذ بن مسلم** کو ایک فوج دے کر اس کی سرکوبی کیلیے بھیجا۔ مقنع نے کش کے قلعہ پناہ لی۔ آخر میں جب بچنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو زہر گھولکر پہلے اپنے اہل و عیال پھر ساتھیوں کو پلایا۔ اس کے بعد آپ بھی پی کر خودکشی کر لی۔

مہدی کو جب کسی زندیق کی اطلاع ملتی تھی تو وہ اس کو قتل کی سزا دیتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے عہد میں بعض لوگوں کو اپنے دشمنوں کو ہلاک کرانے کے لیے یہ ایک ذریعہ مل گیا تھا۔

وزارت

مہدی اسقدر مستبد نہیں تھا جسقدر کہ اس کا باپ منصور تھا۔ نیز اس کا زمانہ بھی امن و سکون کا تھا۔ اس وجہ سے اس کے عہد میں وزارت کے اختیارات زیادہ بڑھ گئے اور اس کی ایک عظمت اور شان قائم ہو گئی۔

ابو عبداللہ

مہدی کا سب سے پہلا وزیر ابو عبداللہ معاویہ بن یسار ہوا۔ جو اشعریوں کے موالی میں سے تھا۔ یہ شخص علوم ادبیہ میں ماہر اور اپنے زمانہ کا بے نظیر انشا پرداز تھا۔ پہلے منصور نے اس کو اپنی وزارت کے واسطے منتخب کیا تھا۔ لیکن اسوقت چونکہ مہدی کیلیے بھی ایک لائق کارپرداز کی ضرورت تھی اس لیے اس کو اسی کا میر منشی کر دیا۔ مہدی

اس سے بہت خوش تھا۔ جب خلیفہ ہوا تو اسی کو وزیر اعظم مقرر کیا۔

ابو عبداللہ نے سلطنت کے تمام دفاتر کی تنظیم کی۔ اور ان کو از سر نو ترتیب دیا۔ خراج میں یہ ترمیم کی کہ نقد لگان کی جگہ پر پیداوار کے ایک حصہ کی تحصیل کا دستور مقرر کیا۔ اصول خراج پر ایک کتاب بھی لکھی جو اس مضمون پر اسلام میں سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس میں اس کے قواعد اور اس کے متعلق احکام شرعیہ اور خلفاء سابقین کے طرز عمل کو تفصیل کے ساتھ لکھا۔

ربیع حاجب اس کا قدیمی دوست اور حامی تھا۔ چنانچہ منصور کے دربار میں جب اسکی کوئی شکایت پہنچتی تھی تو وہ اس کا ازالہ کر کے اس کے دل کو اس کی طرف سے صاف رکھتا تھا۔ جب منصور وفات پاگیا اور ربیع نے مہدی کی خلافت کی بیعت لی۔ اور وہاں سے بغداد واپس آیا تو مہدی کے یہاں بھی حاضری دینے سے پہلے وہ ابو عبداللہ سے ملنے کے لیے گیا۔ ابو عبداللہ نے اس سے سرد مہری کا برتاؤ کیا۔ پہلے ایک عرصہ تک اس کو منتظر رکھا۔ پھر عشا کے بعد اندر بلایا۔ اور جب وہ داخل ہوا تو نہ اس کی تعظیم کے لیے اٹھا نہ اپنی جگہ سے ہلا۔ بلکہ فرش پر تکیہ لگائے بیٹھا رہا۔ ربیع اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ابو عبداللہ نے مزاج اور سفر کی کیفیت کے متعلق اس سے رسمی گفتگو شروع کی۔ اور مہدی کی بیعت لینے کے بارہ میں جو اس کا سب سے بڑا کارنامہ تھا ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اور جب ربیع نے خود اس کا تذکرہ شروع کیا تو کہا کہ ہاں مجھے یہ حالات معلوم ہو چکے ہیں۔ وہ کبیدہ خاطر ہو کر وہاں سے اٹھکر چلا آیا۔ اور اپنے بیٹے فضل سے کہا کہ میں ابو عبداللہ کو اس کے تکبر کا مزہ ضرور چکھاؤں گا۔ چاہے اس کے پیچھے میرا جاہ و منصب اور مال و منال سب کچھ خاک میں مل جائے۔

ابو عبداللہ فاضل مخلص اور بے لوث وزیر تھا۔ اس لیے ربیع کو باوجود اپنی چالاکی کے بھی اس کی گرفت کا موقع نہیں ملتا تھا۔ لیکن اس کا بیٹا محمد ملحدوں کی صحبت میں رہتا تھا اور لوگ اس کو زندیق سمجھتے تھے۔ ربیع جانتا تھا کہ مہدی زندیقوں کا دشمن ہے۔ چنانچہ اس نے مہدی کو اس کے خلاف بھڑکایا۔ اس نے محمد کو دربار میں بلایا۔ اور کہا کہ قرآن سناؤ۔ اس نے غلط پڑھا۔ مہدی ابو عبداللہ کی طرف مخاطب ہوا۔ اور کہا کہ تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ محمد قرآن کا حافظ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ لیکن ادھر دو سال سے یہ میرے ساتھ نہیں رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس درمیان میں اس نے اس کی مزاولت چھوڑ دی ہے۔ مہدی نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ تم خود اٹھکر اس زندیق کو قتل کرو۔ ابو عبداللہ مجبوراً اٹھا لیکن اٹھکر گر پڑا۔ عباس بن محمد نے مہدی سے کہا کہ اس بڈھے کو معاف فرمائیے۔ مہدی نے اس کی سفارش منظور کی اور جلاد سے اسکو قتل کرا دیا۔ اب اس کے دل میں ابو عبداللہ کی طرف سے بھی بدگمانی پیدا ہوگئی۔ کیونکہ اس کے بیٹے کو قتل کرا دینے کے بعد اس سے خلوص اور وفاداری کی امید نہیں ہو سکتی تھی۔

ربیع نے اپنے ذاتی بغض کی وجہ سے اس طرح پر خلیفہ اور اس کے وزیر کے مابین وحشت اور نفرت ڈالدی۔ اس کے بعد ابو عبداللہ کی شکایتیں حسب موقع کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۶۱ھ میں مہدی نے ابو عبداللہ کو معزول کر دیا۔

یعقوب

ابو عبداللہ کے بعد مہدی نے یعقوب بن داؤد کو جو بنی سلیم کے موالی میں سے تھا وزارت کا قلمدان بخشا۔ داؤد خراسان میں عہد بنی امیہ میں امیر نصر بن سیار کا کاتب تھا۔ اس کے دو بیٹے یعقوب اور علی علم و ادب میں یکتائے روزگار تھے۔ بنی عباس

کے زمانہ میں جب انھوں نے دیکھا کہ ہماری کوئی توقیر نہیں ہی تو زیدیہ جماعت میں داخل ہو گئے۔ اور امام محمد نفس زکیہ اور اُن کے بھائی امام ابراہیم کی امامت کی تبلیغ کرنے لگے۔ امام ابراہیم جب مقتول ہوئے تو یعقوب ان کے ساتھ تھا۔ منصور نے گرفتار کر کے اس کو قید کیا۔ مہدی نے جسوقت سیاسی قیدیوں کو رہا کیا اُسوقت یہ بھی چھوٹا۔

مہدی کو زیدیہ کی طرف سے بہت خطرہ تھا۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ اگر کوئی ایسا شخص مجکو مل جائے جو اس فرقہ کے لوگوں پر اثر رکھتا ہو تو میں اس کو وزیر بنالوں تاکہ وہ اس جماعت کو قابو میں رکھے۔ لوگوں نے یعقوب کا نام لیا۔ اُس نے بلا کر گفتگو کی۔ اور عیسیٰ بن زید امیر زیدیہ کی نسبت دریافت کیا۔ یعقوب نے کہا کہ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ ان کی طرف سے کوئی شورش نہیں ہو گی۔ مہدی نے اس کو اپنے مقصد کے مطابق پا کر تمام ملکی کاروبار اس کے سپرد کر دیے۔ اس نے مشرق سے لے کر مغرب تک کل بڑے بڑے عہدوں پر کبرا زیدیہ کو مقرر کر دیا جس سے سلطنت کے کل مہمات ان کے ہاتھ میں آ گئے۔ لیکن باوجود اس کے علوی اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہماری نگرانی کے لیے اس کو وزارت ملی ہی۔ ادھر بنی عباس نے یہ خیال کیا کہ یہ زیدیوں کو تقویت دے کر خلافت کو ان کے ہاتھ میں دینا چاہتا ہی چنانچہ انھوں نے مہدی سے کہا کہ یعقوب وزیر رئیس زیدیہ اسحاق بن فضل کو بغاوت کے لیے ابھار رہا ہی۔ اور وہ عنقریب اپنی جماعت کو لے کر ایک تاریخ مقرر کر کے بنی عباس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو گا۔ یہ سنکر مہدی کے دل میں تردد پیدا ہو گیا۔ اتفاق یہ کہ اسی اثنا میں یعقوب نے مہدی سے اسحاق کے لیے مصر کی ولایت کی سفارش کی۔ اس سے اس کا شبہہ اور قوی ہو گیا۔ اُس نے

یعقوب کو ایک کنیز عطا کی جسکو یہ سکھلا دیا کہ اس کے تمام افعال و اقوال سے مطلع کرتی رہے پھر مہدی نے ایک علوی کو گرفتار کر کے یعقوب کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اس کو لیجا کر قتل کرا دو۔ یعقوب نے اس کو لاکر مخفی طور پر چھوڑ دیا۔ کنیز نے یہ کیفیت مہدی کو لکھ بھیجی۔ اس نے سوار بھیجکر علوی کو پھر گرفتار کرا لیا۔ اور دوسرے دن یعقوب سے اس کی نسبت دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ مہدی نے علوی کو طلب کر کے اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یعقوب خوف زدہ ہو کر مہدی کے قدموں میں گر پڑا۔ اس نے اس کا مال و متاع ضبط کر کے اس کو معہ اُس کے گھر والوں کے قید کیا۔ اور اُس کے تمام امرار کی معزولی کا فرمان لکھا۔

ابن ابی صالح

یعقوب کے بعد فیض بن ابی صالح وزیر ہوا۔ یہ نیشاپور کے ایک عیسائی خاندان سے تھا۔ فضل و ادب میں کامل اور سخی اور عالی حوصلہ لیکن نہایت متکبر اور تند مزاج تھا۔ مہدی کی وفات تک اپنے منصب پر رہا۔

احوال خارجیہ

خلافت بغداد کے تعلقات عبدالرحمٰن داخل امیر اندلس کے ساتھ روز اول سے معاندانہ تھے۔ منصور اور اُس کے بعد مہدی دونوں اسی کوشش میں رہے کہ کسی طرح بنی امیہ کی اس سلطنت کو مٹا دیں۔ لیکن بیچ میں افریقیہ کے صحارے حائل تھے۔ جن کو قطع کر کے فوج لیجانا اور اُن سے لڑنا آسان نہ تھا۔ اس لیے صرف زبانی ہی دشمنی کا اظہار کرتے تھے۔

فرانس کا بادشاہ اس وقت شارلمین تھا جو اپنی سلطنت کی توسیع کیلیے کوشاں تھا۔ اس نے مسلمانوں میں باہمی عداوت دیکھ کر خلافت بغداد کے ساتھ دوستانہ تعلقات

پیدا کرنے شروع کیے۔ تاکہ ان کی ہمدردی حاصل کرکے اندلس پر حملہ کرسکے۔ اس کا جو نتیجہ ہوا اُس کا ذکر آگے آئے گا۔

رومیوں کے ساتھ بھی سلسلۂ جنگ جاری تھا۔ ۱۶۳ھ میں مہدی نے ایک عظیم الشان فوج لے کر خود رومیوں پر چڑھائی کی۔ اور بہت سے مقاموں کو فتح کیا۔ قلعہ سمالا پر ۳۸ دن محاصرہ رکھا۔ اور اس پر قبضہ کیا۔ پھر واپس آیا۔

۱۶۵ھ میں اپنے بیٹے **ہارون الرشید** کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف بھیجا۔ اس زمانہ میں ملکہ ایرینی وہاں حکمراں تھی۔ اس نے ہارون سے نوّے ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح لی۔ واپسی میں ہارون کے حکم کے مطابق ہر ہر منزل میں اس نے اسلامی فوج کے لیے بازار لگوائے۔ اور رہنما ساتھ کیے تاکہ وہ آرام سے گذر جائے۔

یہ صلح تین سال کے لیے ہوئی تھی۔ لیکن رومیوں نے صرف ایک سال رقم ادا کرکے دوسرے سال انکار کر دیا۔ **سلیمان بن علی** والی جزیرہ خلیفہ کے حکم سے روم کی طرف بڑھا۔ اس نے رومیوں کو شکست دی اور بہت مال غنیمت حاصل کیا۔

ہند میں دریائے سندھ تک اسلامی قبضہ تھا۔ مہدی نے **عبدالملک** بن شہاب کو دس ہزار فوج کے ساتھ بحری رستہ سے بھیجا کہ وہ آگے بڑھے۔ اس نے پہنچکر شہر باربد کا محاصرہ کیا۔ اور تین دن میں اس کو فتح کرلیا۔ لیکن وہاں کی آب و ہوا مسلمانوں کو راس نہ آئی اکثر بیمار ہوئے۔ اور تقریباً ایک ہزار مر گئے۔ اس لیے پھر کشتیوں کے اوپر واپس چلے گئے۔ رستہ میں طوفان آیا جس میں بہت سی کشتیاں غرق ہوگئیں۔

صفات مہدی

مہدی کے اندر شرم و حیا اور معافی کی صفت زیادہ تھی۔ اکثر جب کوئی سیاسی مجرم اسکے

سامنے لایا جاتا تھا تو وہ اس کو چھوڑ دیتا تھا۔ قرآن کا اس کے دل پر بہت اثر ہوتا تھا۔ ایکبار اس نے نماز میں یہ آیت پڑھی۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اگر تم کو بادشاہت ملے تو کچھ عجب نہیں کہ دنیا میں تم فساد پھیلاؤ اور باہمی رشتوں کو توڑو۔

اس زمانہ میں موسےٰ بن جعفر علوی اس کے قید خانہ میں تھے۔ ان کو بلوایا۔ اور کہا کہ میں نے یہ آیت پڑھی اور مجھے ڈر پیدا ہوا کہ اس کا مصداق کہیں میں نہ ہوں۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ تم کو چھوڑ دوں بشرطیکہ تم اس بات کا عہد کرو کہ میرے خلاف بغاوت نہیں کرو گے۔ اُنھوں نے وعدہ کیا۔ اُس نے رہا کر دیا۔

سلطنت کے کاروبار نہایت محنت اور تن دہی کے ساتھ کرتا تھا۔ قاضیوں کو فیصلوں کے لیے اپنے سامنے بٹھاتا تھا۔ اہل معاملہ وہاں بے تکلف جاتے تھے۔ بعض لوگوں نے خود اس کے اوپر دعوے کیے۔ قاضیوں نے ان کے حقوق دلوائے۔ اور مہدی نے بیچون و چرا ان کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کیا۔

مہدی حلیم الطبع۔ فیاض فصیح زبان آور۔ عابد اور سنت رسول کا تابع تھا۔ بنی امیہ کے وقت سے خلفاء کے لیے مساجد میں جو مقصورے بنائے گئے تھے اُس نے تڑوا دیے۔ نیز منبروں کو جو بہت اونچے بنائے گئے تھے پست کرا کے صرف اسیقدر بلند رکھا جسقدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر تھا۔

ایک بار اس کا غلام ابو عون زیادہ بیمار رہا۔ مہدی اُس کی عیادت کو گیا اور اُس سے کہا کہ اگر تمھاری کوئی خواہش ہو تو مجھے وصیت کر جاؤ میں پوری کر دونگا۔ اُس نے کہا کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ کیونکہ ایک مدت سے میں

آپ کو اپنے سے ناراض دیکھتا ہوں۔ مہدی نے کہا کہ تم شیخین کو برا کہتے ہو اس لیے میں تم سے اسوقت تک راضی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرو۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین! ہم یہی دعوے لے کر کھڑے ہوئے تھے کہ خلافت اہل بیت کا حق ہے۔ جن لوگوں نے اسکو اُنسے چھین لیا وہ ظالم اور غاصب ہیں اسی عقیدہ کی ہم کو تلقین کی گئی تھی۔ اور اسی کی ہم تبلیغ کرتے تھے۔ اب اگر کوئی نئی بات پیدا ہو گئی ہے تو وہ فرمایئے۔ ہم اسی کے مطابق چلیں۔

اصلیت یہ ہے کہ بنی عباس کی دعوتِ امامت میں ابتداءً رفض موجود تھا لیکن آلِ علی کی طرف سے جو خطرات ان کے سامنے آئے ان کی بنا پر اُنھوں نے اس خیال کو چھوڑ دیا۔ اور حضرت علی کو خلفاء راشدین میں اسی رتبہ پر رکھنا مناسب سمجھا جسپر وہ تھے۔

ولیعہدی

مہدی نے بھی منصور کی طرح عیسیٰ بن موسےٰ پر سختیاں کیں اور اس کو خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر اپنے دونوں بیٹوں موسےٰ ہادی اور ہارون الرشید کو ولیعہد بنایا۔

وفات

۱۶۹ھ میں مہدی جرجان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں بیمار ہو گیا۔ ماسبذان میں پہونچکر ۲۲ محرم ۱۶۹ھ مطابق ۴ اگست ۷۸۵ء کو انتقال کر گیا۔ اس کی مدت خلافت دس سال اور ڈیڑھ مہینہ رہی۔

*

(۴) ہادی

موسیٰ ہادی بن مہدی بن ابو جعفر منصور۔ اس کی والدہ کا نام خیزران تھا۔ وہ پہلے مہدی کی مملوکہ کنیز تھی۔ جب اس کے شکم سے ہادی اور ہارون پیدا ہوئے تو اس کی عزت مہدی کی نگاہ میں بڑھ گئی۔ اس لیے ۱۵۹ھ میں اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

ہادی کی ولادت ۱۴۴ھ میں ہوئی تھی۔ سولہ برس کے سن میں یہ ولیعہد بنایا گیا۔ مہدی کی زندگی ہی میں فوج لے کر جرجان کی طرف گیا تھا۔ یہ اسی طرف تھا کہ مہدی نے راستہ میں وفات پائی۔ ہارون نے اس کے لیے بیعت لی۔ اور مہر۔ عصا اور ردائے خلافت مع تعزیت اور تہنیت کے اس کے پاس جرجان میں بھیجا۔

احوال داخلیہ

ہادی بھی اپنے باپ کی طرح زندیقوں کا سخت دشمن تھا۔ خاصکر "پیروان مانی کا" جو نور اور ظلمت دو خداؤں کی پرستش کرتے تھے۔ مہدی نے بنی ہاشم میں سے **داؤد** بن علی کے ایک بیٹے اور **یعقوب** بن فضل کو زندیق ہونے کی وجہ سے گرفتار کیا تھا۔ چونکہ اُس نے قسم کھا رکھی تھی کہ بنی ہاشم میں سے کسی کو قتل نہیں کروں گا اس لیے اُن کو قید خانہ میں مقید کر دیا۔ اور ہادی کو وصیت کی کہ جب تم خلیفہ ہونا تو ان کو قتل کر دینا۔ ان میں سے داؤد کا بیٹا تو قید ہی میں مر گیا۔ لیکن یعقوب زندہ تھا۔ ہادی نے باپ کی وصیت کے مطابق اس کو قتل کرا دیا۔

حسین بن علی

۱۶۹ھ میں حسین بن علی بن حسن المثلث نے مدینہ میں اپنی امامت کا اعلان کیا۔ انکے ساتھ کوفہ کے کچھ لوگ ہو گئے تھے۔ پہلے انھوں نے اہل مدینہ سے بیعت لی۔ پھر وہاں کے خزانہ پر قبضہ کیا۔ والی مدینہ عمر بن عبد العزیز جو عبداللہ بن عمر بن خطاب کے پوتے تھے ان کے مقابلہ سے عاجز رہے۔

حسین بن علی اعلان امامت کے بعد گیارہ دن مدینہ میں رہے۔ اس کے بعد ۲۴ ذی تعدہ کو اپنی جماعت کو لے کر حج کے لیے نکلے۔ ہادی نے محمد بن سلیمان عباسی کو اس سال امیر الحج مقرر کر کے حسین کے مقابلہ کا حکم دیا۔ مقام فخ بین یقین میں جنگ ہوئی۔ حسین اور اُن کے سارے ساتھی مارے گئے۔ صرف دو شخص ادریس بن عبداللہ اور یحیٰی بن عبداللہ جو محمد نفس زکیہ کے بھائی تھے اس معرکہ سے بچکر نکل گئے۔ ادریس نے افریقیہ میں جاکر سلطنت قائم کی اور یحییٰ نے بلاد دیلم میں پہونچکر عَلَم مخالفت بلند کیا۔ ان کے تذکرے حسب موقع آئیں گے۔

صفات ہادی

ہادی نہایت قوی اور بہادر تھا۔ دو زرہیں پہنے ہوئے گھوڑے پر کود کر سوار ہو جاتا تھا۔ اس نے اپنے دربار کو عام کر رکھا تھا۔ اور ربیع حاجب کو حکم دیدیا تھا کہ کسی کو میرے پاس آنے سے نہ روکو۔ کیونکہ امیر کا پس پردہ بیٹھنا حکومت اور رعایا دونوں کے لیے مضر ہے۔ اور اس سے برکت جاتی رہتی ہے۔

امور سلطنت میں وہ انہماک کے ساتھ مشغول رہتا تھا۔ اور فیاض اور خوش طبع تھا۔ مزاج میں غیرت بہت تھی۔ اس کی والدہ خیزران جو مہدی کے وقت سے اُمورِ

سلطنت میں دخیل ہوگئی تھی اس کے یہاں امراء و روساء و اہل حاجت کثرت سے آمد ورفت رکھتے تھے۔ ہادی نے اس ہجوم کو روک دیا۔ اور کہا کہ جو یہاں آئے گا میں اس کو سزا دونگا اور اس کی جائداد ضبط کرلونگا۔ اور خیزران سے کہا کہ تم اپنا وقت نماز۔ تسبیح۔ اور تلاوت میں گذارو۔ یا چرخہ لے کر کاتو۔ امور سلطنت سے تم کو کیا واسطہ۔

نبیذ جس کو فقہاء عراق نے جائز کر رکھا تھا وہ پیتا تھا۔ اور کسی قدر گانا سننے کا بھی شوق رکھتا تھا۔

ولیعہدی

مہدی کے فرمان کے مطابق ہادی کے بعد ہارون ولیعہد تھا۔ لیکن ہادی نے اسکی جگہ پر اپنے بیٹے جعفر کو ولیعہد بنانا چاہا۔ بہت سے امراء فوج بھی اس کی رائے کے تابع ہوگئے ہادی نے ہارون پر سختی شروع کی کہ وہ ولیعہدی سے دست بردار ہو جائے ہارون تنگ آکر اس کے چھوڑنے پر آمادہ بھی ہوگیا۔ لیکن یحیٰی برمکی نے جو اس کا اتالیق اور کار پرداز تھا اس کو اس سے روکا۔ اس جھگڑے کو ہادی کی موت نے ختم کر دیا۔ وہ اچانک بیمار ہوا۔ اور تین دن میں انتقال کرگیا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہارون اور یحیٰی کی سازش سے خیزراں نے جو ہادی کی سختیوں سے ناراض تھی اس کو زہر دلوا دیا۔ اس کی کسی قدر تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب ہادی بیمار ہوا تو خیزران نے یحیٰی کے پاس اطلاع بھیجی کہ معاملہ بہت قریب ہے تم تیار رہو۔ چنانچہ یحیٰی نے وہ تمام فرامین جو امراء و ولایات کے پاس بھیجے جانے والے تھے پہلے سے لکھ کر تیار کرلیے۔ جسوقت ہادی کی وفات ہوئی فوراً برید کے ذریعہ سے اطراف ممالک میں ان کو بھیجدیا۔

وفات

۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ مطابق ۱۴ ستمبر سنہ ۷۸۶ء کو ۲۶ سال کی عمر میں ہادی نے عیسیٰ باد میں وفات پائی۔ اس کی خلافت ایک سال ایک مہینہ اور ۲۲ دن رہی۔

(۵) ہارون

ہارون الرشید بن مہدی خیزران کے بطن سے سنہ ۱۴۵ھ میں مقام رے میں پیدا ہوا۔ اسکی تعلیم و تربیت اچھی ہوئی۔ سنہ ۱۶۲ھ میں مہدی نے اُس کو انبار سے لیکر افریقیہ تک کی امارت عطا فرمائی۔

سنہ ۱۶۵ھ میں ایک زبردست فوج جس کی تعداد ۹۵۷۹۳ تھی دے کر قسطنطنیہ کیطرف بھیجا۔ اور سنہ ۱۶۶ھ میں ہادی کے بعد ولی عہد بنایا۔ سنہ ۱۶۹ھ میں جب اسکی شجاعت اور لیاقت کا ظہور ہوا تو چاہا کہ اس کو ہادی پر مقدم کر دے لیکن اپنے اس ارادہ کو پورا کرنے سے پہلے ہی وفات پا گیا۔

ہادی کے انتقال کے بعد ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ میں جبکہ اس کا سن ۲۵ سال کا تھا تخت خلافت پر بیٹھا۔

احوال داخلیہ

ہارون کا زمانہ خلافت عباسیہ کا بہترین زمانہ شمار کیا گیا ہے۔ اس میں رفاہیت۔ ثروت۔ علم۔ ادب۔ طاقت اور شوکت ہر لحاظ سے دولت عباسیہ اپنے سب سے بلند اور ارفع درجہ پر پہنچ گئی تھی۔ ہر قسم کے بڑے بڑے لوگ فراہم ہو گئے تھے جن کی بدولت ملک کی زینت اور اس کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی۔ اور ہارون کی شاہانہ تربیت

اور اس کے بے مثل صفات نے ان ترقیوں کو ایسا فروغ دیا کہ یہ عہد تاریخ میں ممتاز اور نمایاں ہو گیا۔ اور اس کا بہت کچھ اثر امت اسلامیہ کے مستقبل پر بھی پڑا۔

حضارۃ بغداد

ہارون الرشید کے زمانہ میں بغداد اپنی انتہائی عظمت اور معراجِ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ شاہزادوں۔ امیروں اور رئیسوں کے ایسے ایسے عالی شان محلات تعمیر ہوئے تھے جن کو دیکھ کر سیاح حیران ہو جاتے تھے۔ قصر خلافت اور وزراء کے مکانات بالخصوص برامکہ کی عمارتیں ایسی تھیں کہ اسوقت تمام دنیا میں ان کی نظیر نہ تھی۔ جعفر بن یحییٰ نے اپنے قصر کی تعمیر میں بیس لاکھ درہم صرف کیے تھے۔ دریائے دجلہ کے کناروں پر باغات اور تفریح کے مقامات تھے۔ بڑے بڑے تاجروں کے مرتفع مکانوں۔ اور جابجا عظیم الشان مسجدوں۔ اور ان کے سربفلک میناروں کی وجہ سے شہر کی عجیب عظمت تھی۔ دجلہ کے دونوں طرف اسقدر کثرت کے ساتھ آبادی بڑھی کہ بغداد کی مردم شماری بیس لاکھ نفوس سے زائد ہو گئی۔

بحری اور بری دونوں راستوں سے سامان تجارت آتا تھا۔ اور چین۔ ہند۔ افریقہ۔ شام وجزیرہ وغیرہ کے تجار وہاں موجود تھے۔ مشرق و مغرب کے ہر قسم کے اسباب تجارت بازاروں میں بھرے پڑے تھے۔ خود خلیفہ اور اس کے وزراء و امراء اس بات کی حرص رکھتے تھے کہ بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور تجارت کا مرکز بن جائے۔ راستوں کی کامل حفاظت۔ امنیت کا پورا بندوبست اور تجارت کے لیے ہر قسم کی آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ثروت کی یہ کیفیت تھی کہ تمام اسلامی صوبوں سے خراج کی وہ رقمیں جو مقامی اخراجات

سے فاضل ہوتی تھیں دار الخلافہ میں آتی تھیں۔ مورخین نے ان کا اندازہ چالیس کرور درہم سالانہ کیا ہے۔ یہ سب خلیفہ کے بیت المال میں داخل ہوتی تھیں۔ وہ ان کو وزرا اہل دفاتر۔ فوج اور ملازمین کی تنخواہوں اور انعامات وعطایا میں صرف کرتا تھا۔ اسوجہ سے وہاں عام رفاہیت اور خوش حالی تھی۔ اور ادنے واعلےٰ سب آرام وراحت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

دولت کے سیلاب کے ساتھ عیش اور لذت پرستی کے خس وخاشاک لازمی ہیں۔ اس سے وہ لوگ بھی محفوظ نہیں تھے۔

علمی لحاظ سے بغداد طلبۂ علوم کا قبلہ تھا۔ کیونکہ اسلامی ممالک کے ممتاز ائمہ اور علمار بیشتر وہیں آ گئے تھے۔ اور محدثین۔ قرا۔ مفسرین۔ حفاظ لغت۔ اُدبار۔ ائمہ نحو وصرف۔ مورخین اور متکلمین وغیرہ سب کے سب تدریس وتعلیم اور تصنیف وتالیف میں مشغول تھے۔ وہاں کی جامع مسجدیں علوم کا مرکز تھیں۔ اور اس عہد میں دنیائے اسلام میں کوئی شخص کسی فن میں کامل نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس نے بغداد میں جاکر نہ پڑھا ہو۔

اسلامی علوم کے علاوہ فنون دخیلہ مثلاً طب۔ فلسفہ۔ ہیئت۔ ہندسہ اور نجوم وغیرہ کے ماہرین کی بھی وہاں کثرت تھی۔ یہ لوگ دنیا میں جس قوم کے پاس کوئی علم پاتے تھے اسکو عربی میں منتقل کرتے تھے۔ اور مسلمانوں میں پھیلاتے تھے۔

ان علمار کی زندگیاں خلیفہ۔ امرار اور وزرار بالخصوص برامکہ کی قدردانیوں اور زرپاشیوں کی بدولت نہایت فارغ البالی کے ساتھ گذرتی تھیں۔

علویہ

حضرت علی کی اولاد چونکہ یہ سمجھتی تھی کہ خلافت ہمارا حق ہے اور ان میں سے جو ممتاز لوگ

ہوتے تھے وہ اکثر یہ کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح ہم اس کو حاصل کریں۔ اس وجہ سے بنی عباس کو ہمیشہ ان کی طرف سے خطرہ لگا رہتا تھا۔

ہارون نے خلیفہ ہونے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ سلوک و احسان کر کے اُن کی استمالت کی کوشش کی۔ اور اسی سلسلہ میں ان لوگوں کو جو بغداد میں زیر نگرانی رکھے گئے تھے بجز **عباس** بن حسن کے مدینہ جانے کی اجازت دیدی۔ لیکن یحییٰ بن عبداللہ نے جو ہادی کے زمانہ میں فخ کی لڑائی سے بچکر بلاد دیلم میں چلے گئے تھے۔ وہاں ایک جتھا بنا کر علم مخالفت بلند کیا۔ اُس اطراف و دیار کے لوگ ان کے ساتھ شامل ہو گئے جس سے ان کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ ہارون نے جب سنا تو اس کو نہایت تردد پیدا ہوا **فضل** بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار فوج دیکر مقابلہ کے لیے بھیجا۔

فضل چونکہ محبان آل علی میں سے تھا اس لیے اس نے وہاں پہونچکر بجائے جنگ کرنے کے رئیس دیلم کو دس لاکھ درہم دے کر راضی کیا کہ یحییٰ کو اپنے قلعہ سے ہمارے پاس بھیجدو پھر ان کو سمجھا کر صلح پر آمادہ کیا۔ وہ اس شرط پر راضی ہوئے کہ خلیفہ خود اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر بھیجے تو میں چلا آؤں۔

فضل نے ہارون کو لکھا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ علماء اور فقہاء کو بلوا کر ان کے سامنے امان نامہ لکھا۔ اور ان کی اور روساء بنی ہاشم کی شہادتیں اس پر ثبت کرا کے مع تحفوں اور ہدیوں کے بھیجا۔ فضل یحییٰ کو لے کر بغداد میں آیا۔ ہارون نے ان کے گذارہ کے لیے بہت بڑی رقم مقرر کی۔ اور فضل کے اس کارنامہ پر اس کے رتبہ میں اضافہ کر کے اسی کو حکم دیا کہ یحییٰ کو تم اپنے پاس رکھو۔

یحییٰ کے خروج نے خلافت کا کوئی حصہ علیحدہ نہیں ہوا۔

ادریس اول

یحییٰ کے دوسرے بھائی ادریس فخ سے بھاگ کر مصر کی طرف نکل گئے تھے۔ وہاں سے وہ بلاد مغرب کی طرف پہونچے۔ اور شہر ولیلی میں ۱۷۲ھ میں اپنی امامت کی بیعت لے کر پہلی عَلوی خلافت یعنی ادریسی سلطنت قائم کی۔

ہارون نے اطلاع پاکر لشکر کشی کرنی چاہی۔ لیکن اس کو دشوار سمجھکر اپنے ایک غلام سلیمان بن جریر کو جو شمّاخ کے لقب سے مشہور تھا روانہ کیا کہ کسی حیلہ سے ادریس کو قتل کر ڈالے اسنے ادریس کے پاس پہونچکر بنی عباس کی بیعت سے برارت ظاہر کی اور ان کی بیعت میں داخل ہوگیا۔ وہ اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہانتک کہ رفتہ رفتہ اس کو اپنے مقربین میں شامل کرلیا۔ اس نے موقع پاکر ایک روز ان کے منجن میں زہر ملا دیا۔ اور روپوش ہو کر چلا آیا۔ چنانچہ اسی زہر سے انھوں نے ۱۷۷ھ میں وفات پائی۔ لیکن ان کی وفات سے اس سلطنت کا خاتمہ نہیں ہوسکا۔ کیونکہ ان کی ایک کنیز حاملہ تھی جس کے شکم سے کچھ دنوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اہل مغرب نے اس کا نام بھی ادریس رکھا۔ اور اس کی امامت کی بیعت کرلی۔

اندلس کے بعد یہ دوسرا حصہ مغرب اقصےٰ کا مع تلمسان کے بنی عباس کی خلافت سے نکل گیا۔

ہارون انہیں وجوہات سے علوئین کی طرف سے ہر وقت خطرہ میں رہتا تھا۔ اور امرا یا وزرا میں سے جس شخص کی بابتہ سنتا تھا کہ وہ اہل بیت کے کسی فرد کی طرف میلان رکھتا ہی اس کو سخت سزا دیتا تھا۔ اسی اندیشہ سے امام موسےٰ کاظم کو بغداد میں اپنی نگرانی میں رکھ چھوڑا تھا۔ ان کو کہیں جانے نہیں دیا۔ یہانتک کہ ان کا انتقال بھی وہیں ہوا۔

افریقیہ

قیروان کا عامل **فضل** بن روح تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے **مغیرہ** کو تونس کا امیر بنا کر بھیجا۔ وہاں کے لوگ اس کے طرز عمل سے ناراض ہوئے۔ اور انھوں نے فضل کو لکھا کہ اس کے بدلے کسی دوسرے شخص کو یہاں بھیجو۔ فضل نے اُن کی درخواست نامنظور کی۔ مجبور ہو کر ان لوگوں نے ایک رئیس **ابن الجارود** کو اپنا سردار بنا لیا۔ اور مغیرہ کو نکال دیا۔

فضل نے اب اپنے چچا زاد بھائی **عبداللہ** کو وہاں کی امارت پر روانہ کیا۔ اہل تونس نے خیال کیا کہ اس نے جو اپنے بھائی کو مقرر کر کے بھیجا ہے تو اُس کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مخالفین کو سزائیں دلوائے۔ اس بنیاد پر اُنھوں نے متفق ہو کر عبداللہ کا مقابلہ کر کے اُس کو قتل کر دیا اور اُس کے ساتھیوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔

ابن الجارود نے اب علانیہ بغاوت کر دی اور قیروان پر حملہ کر کے فضل کو وہاں سے نکال دیا۔ ہارون نے **ہرثمہ** بن اعین کو فوج دے کر بھیجا۔ اُس نے جا کر وہاں امن و امان قائم کیا۔ اور ابن الجارود کو گرفتار کر کے بغداد بھیجدیا جہاں وہ قید کر دیا گیا۔ ۱۸۱ھ میں ہرثمہ کے بجائے ہارون نے اپنے رضاعی بھائی **محمد** بن مقاتل کو وہاں کا والی بنا کر بھیجا۔ اہل تونس نے محمد سے بھی ناراض ہو کر اس کی مخالفت کی۔ یہانتک کہ قیروان پر قبضہ کر کے اُس کو وہاں سے نکالدیا۔

ہارون نے اب ابراہیم بن اغلب کو جو مقام زاب کا عامل تھا صوبہ افریقیہ کی ولایت پر مقرر کیا۔ اُس نے جا کر قیروان پر غلبہ حاصل کیا۔ اور امن و امان قائم کر کے اپنی مستقل حکومت کی بنیاد ڈالی۔ خلیفۂ عباسی کو وہ صرف چالیس ہزار دینار سالانہ خراج بھیجتا تھا۔ باقی جملہ اُمو

میں خود مختار تھا۔

خوارج

یہ جماعت حضرت علیؓ کے عہد میں پیدا ہوئی تھی۔ بنی امیہ کے زمانہ میں جابجا اسنے خروج کیا اور بغاوتیں کرتی رہی۔ انھوں نے ہمیشہ اس کو مٹانے کی کوشش کی۔ اور انکے مشہور اور نامور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ نے اپنی ساری قوت اس کو فنا کرنے میں صرف کی اور کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔

لیکن خلافت کی غلط رفتار اور خلفار کے استبداد اور امرار کے مظالم کی وجہ سے وہ روح برابر باقی رہی۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں ولید بن طریف شیبانی نے جو نہایت بہادر اور باوقار رئیس تھا جزیرہ میں نصیبین کے متصل ۱۷۸ھ میں خروج کا اعلان کیا۔ خلیفہ کی طرف سے اسکی سرکوبی کے لیے بار بار فوجیں گئیں لیکن شکست کھاتی رہیں۔ جن کی وجہ سے اس کا اقتدار بڑھ گیا۔ اور جزیرہ سے لیکر آرمینیہ تک کے لوگ اس کے حلقۂ اثر میں آ گئے۔ ہارون نے معن بن زائدہ کے بھتیجے یزید بن مزید شیبانی کو منتخب کرکے ایک جرار فوج کے ساتھ بھیجا۔ یزید نے جاکر اس سے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اس میں چند مہینے صرف ہو گئے درباریوں نے ہارون سے شکایت کی کہ یزید چونکہ ولید کا ہم قبیلہ ہے اس لیے وہ اس کے ساتھ لڑائی کو ٹال رہا ہے۔ ہارون نے یزید کو تاکیدی تہدید آمیز حکم بھیجا۔ اب اس کو بجز مقابلہ کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس نے ولید کے پاس کہلا بھیجا کہ مسلمانوں کے ضائع کرانے سے کیا فائدہ۔ آؤ صرف ہم تم لڑیں۔ وہ میدان میں آیا۔ دونوں کئی گھنٹہ تک لڑتے رہے دو رویہ فوجیں کھڑی ہوئی تماشا دیکھ رہی تھیں۔ آخر میں ولید مارا گیا۔ اس کا سر فتحنامہ کے

ساتھ دربار میں بھیجا گیا۔

مشرق

مغرب میں اندلس اور مراقش عباسی خلافت سے نکل چکے تھے۔ مشرق کا خطرہ بھی کچھ اس سے کم نہ تھا۔ کیونکہ علی بن عیسٰی بن ماہان والی خراسان کے مظالم کی وجہ سے وہاں بھی بغاوت کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ ہارون الرشید نے جس وقت علی کو مقرر کرنا چاہا تھا اس وقت اُس نے وزیر یحیٰی بن خالد سے مشورہ لیا تھا۔ اُس نے اس کے تقرر کو پسند نہیں کیا۔ لیکن ہارون نے اس کی رائے کے خلاف اس کو والی بنا کر بھیج دیا۔ اس نے وہاں جا کر ظلم وستم کرنے شروع کیے۔ رؤسا کے بہترین ذخائر کو ضبط کر کے بہت مال واسباب جمع کیا۔ ہارون کے لیے بھی تحفتاً اس میں سے طرح طرح کے قیمتی کپڑے۔ گھوڑے اور سامان وغیرہ بھیجے۔ وہ ایک چبوترے پر بیٹھ کر ان کا جائزہ لینے لگا۔ اور خوش ہو کر یحیٰی سے کہا کہ دیکھو! تم علی کی امارت کی مخالفت کرتے تھے لیکن وہ ہمارے لیے کیسی مبارک ہوئی۔ یحیٰی نے جواب دیا کہ میں اگرچہ یہ چاہتا ہوں کہ میری رائے درست نکلے لیکن اس سے بھی بڑھکر اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ خلیفہ کی رائے زیادہ صائب اور بہتر ہو۔ اللہ کرے کہ علی کی ولایت مبارک ثابت ہو مگر مجھے تو یہ ڈر ہے کہ کہیں اس مال اور سامان کو اس نے ظلم کر کے وہاں کے روسا سے نہ غصب کیا ہو۔ ایسی صورت میں اس کا انجام برا ہوگا۔ اگر ناجائز طریقہ سے اس قسم کے ہدیے فراہم کرنا ہو تو میں آج ہی کرخ کے تاجروں سے چند قیمتی جواہرات جن کی قیمت ان ہدایا سے دس بیس گنی ہو دیکھنے کے لیے منگا کر ضبط کر کے آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ اس میں اس سے کم خطرہ ہے جتنا کہ علی کے اس فعل میں ہے۔ اور میں اس طریقہ سے تین گھنٹہ میں اس سے بہت زیادہ جمع کر سکتا ہوں جتنا کہ

علی نے تین سال میں کیا ہی۔ لیکن کیا انصاف اس کو جائز رکھے گا۔؟

تھوڑے دن بھی نہیں گذرنے پائے کہ خراسانی رئیسوں کی عرضیاں دربار خلافت میں پہونچیں کہ علی بن عیسے نہایت ظالم اور بدسرشت ہی اس کو معزول کر کے دوسرا والی بھیجا جائے۔ ہارون نے یحیےٰ سے مشورہ لیا۔ اس نے کہا کہ میں تو پہلے ہی سے اسکے تقرر کو مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ میری رائے یہ ہی کہ اس کو واپس بلا کر یزید شیبانی کو بھیجدیجیے۔ ہارون نے اس دفعہ بھی اس کی رائے پر عمل نہیں کیا۔

اب خبریں آنی شروع ہوئیں کہ علی نے تہیہ کرلیا ہی کہ خلیفہ سے بغاوت کر کے خراسان کا مستقل امیر ہو جائے۔ یہ سنکر ہارون ۱۸۹ھ میں خود فوجیں لے کر روانہ ہوا۔ جب رے میں پہنچا تو وہاں علی بن عیسے حاضر ہوا۔ اس نے پھر تحفے اور نذرانے پیش کیے خلیفہ کے ساتھ جو امرا تھے ان کو بھی ہدیے دیے۔ ہارون اس سے خوش ہوگیا اور چونکہ کوئی علامت بغاوت کی نہیں دیکھی اس لیے اس کو خراسان کی ولایت پر برقرار رکھا۔ اور رخصت کے وقت اسکی مشایعت کو نکلا۔

علی نے واپس جاکر ان سب لوگوں کو سزائیں دیں جنھوں نے اس کے خلاف دربار میں عرضیاں بھیجی تھیں۔ اور ان کے اموال بھی ضبط کرلیے۔ نصر بن سیار جو بنی امیہ کے وقت میں خراسان کا والی تھا اس کے پوتے رافع بن لیث نے علی کی مخالفت پر کمر باندھی۔ سمرقندیوں کی ایک جماعت نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

علی نے اپنے بیٹے عیسیٰ کی ماتحتی میں ایک دستہ فوج بھیجا۔ رافع نے اس کو شکست دیدی۔ عیسے بھاگ کر بلخ میں چلا گیا رافع نے شاس اور فرغانہ کے ترکوں کی ایک جماعت بلخ میں بھیجی۔ انھوں نے آکر عیسے کو قتل کر ڈالا۔ اس کے محل کے پائیں باغ میں ایک عظیم الشان

خزانہ مدفون تھا جس سے صرف ایک لونڈی واقف تھی۔ اس نے ترکوں کو تبا دیا انھوں نے اس کو لوٹ لیا۔

ہارون کو جب یہ اطلاعات موصول ہوئیں تو اس نے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کی ولایت کا فرمان دے کر بھیجا۔ اس نے پہنچکر علی بن عیسٰے اور اُس کے تمام متعلقین کو گرفتار کر کے اُن کا سارا مال و منال ضبط کر لیا۔ اور رعایا کی دلدہی اور تشفی کر کے پھر امن و امان قائم کیا۔

رافع کی طاقت اسقدر بڑھ گئی تھی کہ وہ ہرثمہ کے بھی قابو میں نہ آسکا۔ آخر کار اس کے مقابلہ کے لیے ۱۹۳ھ میں خود ہارون فوج لے کر روانہ ہوا۔ اسی سفر میں طوس میں پہنچکر انتقال کر گیا۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ رافع نے مامون کے زمانہ میں بلا جنگ اطاعت قبول کر لی۔

وزارت

ہارون کا پہلا وزیر یحیٰے بن خالد برمکی تھا۔ چونکہ برمکی خاندان نہایت نامور اور مشہور ہے اور انکی تاریخ کا زیادہ تر تعلق ہارون ہی کے عہد کے ساتھ ہی اس لیے اس موقع پر اس کا حال مختصراً لکھدینا مناسب ہی۔

برامکہ

ان کا جد اعلےٰ برمک بلخ کے آتشکدہ نوبہار کا موبد اور مجوسیوں کا بڑا معزز اور محترم پیشوا تھا۔ خراسان میں جب عباسی خلافت کی تبلیغ کی گئی تو اس کا بیٹا خالد جو سن تھا اس میں شریک ہو کر اس کا ایک رکن بن گیا۔ خلافت عباسیہ کے قائم ہوجانے پر جسوقت ابوسلمہ خلال وزیر آل محمد قتل کیا گیا اسوقت سفاح نے خالد کو عہدہ اس کے

حق خدمت نیز قابلیت اور لیاقت کے وزارت کا منصب عطا کیا۔ **منصور** نے بھی اپنے عہد میں تھوڑے دنوں اس کو اسی جگہ پر رکھا۔ پھر فارس کا والی بنا کر بھیجدیا۔ ۱۵۸ھ میں وہ خراج نہ بھیج سکا۔ منصور نے اس کے ذمہ تیس لاکھ درہم بقایا نکال کر اس کو بغداد میں طلب کیا۔ اور ادائگی کے لیے صرف تین دن کی مہلت دی۔ اس نے دو دن میں اپنے دوستوں سے جمع کر کے یہ رقم خزانہ میں داخل کر دی۔ منصور نے پھر اس کو موصل کی امارت پر بھیجدیا۔

خالد نہایت عاقل و فرزانہ اور مدبر تھا۔ اور باوجود اس کے کہ سخت گیر نہ تھا اس کا رعب بہت تھا۔ اس نے ۱۶۳ھ میں وفات پائی۔

یحییٰ بن خالد

خالد کا بیٹا یحییٰ تھا جس کی ولادت ۱۲۰ھ میں ہوئی تھی اس کو **منصور** نے ۱۵۸ھ میں آذربیجان کی سرحد کی امارت پر بھیجا۔ وہاں اس نے اس خوبی سے اپنا فرض انجام دیا کہ دربار میں اسکی عزت بڑھ گئی۔ **مہدی** نے ۱۶۳ھ میں اس کو بلا کر اپنے بیٹے ہارون کا کاتب اور اتالیق مقرر کیا۔ ہارون اس کو آبا کہتا تھا۔ اور اس کے بیٹے فضل کو بھائی سمجھتا تھا۔ کیونکہ ان دونوں کی ولادت تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئی تھی۔ یحییٰ کی بیوی ہارون کو اور خیزران فضل کو دودھ پلایا کرتی تھی۔

۱۶۳ھ میں ہارون جب رومیوں کے مقابلہ میں بھیجا گیا تو یحییٰ اس کے ساتھ تھا۔ اور اس مہم کا کل انتظام اس کے سپرد تھا۔ ۱۶۴ھ میں مہدی نے ہارون کو انبار سے لیکر مغرب تک کی امارت عطا فرمائی۔ اس کا سارا بندوبست یحییٰ کے ذمہ تھا۔ ہادی نے بھی اپنے زمانہ میں یحییٰ کو بدستور ہارون کے پاس رہنے دیا۔ پھر اس نے چاہا کہ ہارون سے

دست برداری لکھا کر اپنے بیٹے جعفر کو ولیعہد بنائے۔ اس کے لیے ہارون پر سختی شروع کی۔ یہانتک کہ وہ راضی بھی ہو گیا تھا اور کہتا تھا میری خوشی کے لیے زبیدہ کافی ہے میں اس کے ساتھ آرام سے زندگی بسر کروں گا۔ مجھے سلطنت کے جھگڑوں سے کیا واسطہ۔ لیکن یحییٰ نے اس کو باز رکھا اور کہا کہ دست بردار ہو جانے کے بعد کیا معلوم کہ تمھیں لوگ تمھارے حسب منشا زندگی بھی گذارنے دیں۔

ہادی کے یہاں شکایت گذری کہ ہارون جعفر کی ولی عہدی پر راضی ہے لیکن یہ یحییٰ کی شرارت ہے کہ وہ اس کو دست بردار نہیں ہونے دیتا۔ ہادی نے یحییٰ کو بلا کر کہا کہ تم کیوں ہارون کو میری مخالفت پر آمادہ کرتے ہو۔ اُس نے کہا کہ میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کے اور آپ کے بھائی کے درمیان میں پڑوں۔ لیکن خلیفہ سابق اور نیز آپ نے ہارون کے کاروبار میرے سپرد کیے ہیں اس لیے میں اس کی خیر خواہی کا فرض بجا لاتا ہوں۔ وہ خلیفہ مہدی کے فرمان کے مطابق ولی عہد ہے۔ اگر آپ خود اس عہد کو توڑینگے تو پھر پیمان کی کوئی قیمت باقی نہیں رہے گی۔ اور آپ کے بعد دوسرے لوگ بھی آپ کے عہد کی توقیر نہیں کریں گے۔

جعفر ابھی بہت کم سن ہے۔ ہارون اگر ولیعہد نہ بھی ہوتا تو بھی آپ کے لیے یہ زیبا تھا کہ خود اسکو ولی عہد بناتے۔ اس کے بعد جعفر کو رکھتے۔ چہ جائے کہ اس کے برعکس اس کو معزول کرکے جعفر کو ولیعہد بناتے ہیں۔

یحییٰ کی اس معقول گفتگو کو سنکر ہادی خاموش ہو گیا۔ لیکن اہل غرض کے اُکسانے سے پھر اس نے ہارون پر دباؤ ڈالا۔ اسوقت یحییٰ کے مشورہ سے اس نے شکار کی اجازت طلب کی۔ ہادی نے چند روز کی اجازت دی اور تاکید کی کہ ٹھیک وقت پر

واپس آجانا۔ لیکن وہ یحییٰ کے ساتھ نکل کر قصر مقاتل کی طرف چلا گیا۔ اور چالیس دن وہاں گذار دیئے۔ ہادی پر یہ امر نہایت شاق گذرا۔ اس نے بار بار واپسی کے احکام بھیجے لیکن ہارون ان کو ٹالتا رہا۔ دربار میں اب اس کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ اور بعض لوگوں نے صاف صاف کہنا شروع کیا کہ وہ بغاوت کی تیاری کر رہا ہے۔ فضل بن یحییٰ دربار میں موجود تھا۔ وہ یہاں کی ساری کیفیت مخفی طور پر ہارون کے پاس لکھ کر بھیجا کرتا تھا۔

ہادی یحییٰ سے بدگمان ہو گیا۔ اور اس کو لکھا کہ اگر تم اس فساد انگیزی سے باز نہیں آؤ گے تو قتل کیے جاؤ گے۔ لیکن اسی درمیان میں ہادی بیمار رہوا۔ اور تین روز کے اندر انتقال کر گیا۔

یحییٰ نے اس موقع پر نہایت دانشمندی کے ساتھ ہارون کی بیعت اور خلافت کا معاملہ کو طے کیا۔ جب وہ خلیفہ ہو گیا تو اسنے وزارت یحییٰ کے سپرد کی۔ اور کہا کہ میں ملک کا سارا بار اپنے کندھے پر سے تمہارے کندھے پر رکھتا ہوں۔ تم سیاہ و سپید کے مالک ہو جو چاہو کرو جسکو چاہو رکھو اور جسکو چاہو معزول کرو۔

خیزران جو ہادی کے زمانہ میں امور سلطنت سے بے تعلق کر دی گئی تھی۔ اب پھر دخیل ہو گئی۔ اور یحییٰ اس کی رائے سے مہمات انجام دینے لگا۔

یحییٰ عاقل۔ عالم۔ ادیب اور علم پرور تھا۔ اور سخی ایسا تھا کہ اس کی فیاضی کی داستانیں سنکر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ دور دور سے اہل علم و فضل اس کے یہاں آنے لگے۔ اور اس کی ذات مرجع آفاق بن گئی۔ ۱۷۱ھ میں ہارون نے مہر خلافت کا دفتر اسی کے سپرد کر دیا۔

یحییٰ کے چار بیٹے تھے فضل۔ جعفر۔ محمد۔ اور موسیٰ۔ ان میں سے ہر ایک علم وفضل میں فرد اور جود وکرم میں یگانۂ دہر تھا۔

فضل بن یحییٰ

یہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس کی ولادت ۱۴۷ھ میں ہوئی تھی اس کی تربیت ہارون الرشید کے ساتھ ہوئی۔ جوان ہونے کے بعد امورِ سلطنت میں اپنے باپ کی امداد کرنے لگا۔ اکثر بڑے بڑے کاموں میں اس کی قائم مقامی کرتا تھا۔

ہارون الرشید کا بیٹا امین جب پیدا ہوا تو اس نے اس کو پرورش کے لیے فضل کے حوالہ کیا۔ اور یہی اس کا اتالیق بھی رہا۔ ۱۷۶ھ میں یحییٰ بن عبداللہ نے بلاد دیلم میں جاکر جو مخالفت کا اعلان کیا تھا اس کی مہم پر یہی بھیجا گیا تھا۔ اس نے نہایت خوبی کے ساتھ بلا خونریزی کے اس معاملہ کو ختم کر دیا۔ ہارون کے دل میں اسوقت سے اس کی وقعت اور بھی بڑھ گئی۔ چنانچہ ۱۷۸ھ میں اس کو خراسان کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے وہاں امن و امان قائم کیا۔ اشروسنہ کے بادشاہ سے جو مخالف ہو گیا تھا جنگ کی اور اس کو پھر مطیع کیا۔ اس ملک میں جابجا لنگر خانے بنوائے اور مسجدیں تعمیر کیں۔ خراسانیوں کی ایک فوج مرتب کی جن کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔ اور اس فوج کا نام عباسیہ رکھا۔ ۱۷۹ھ میں جب یہ خراسان سے واپس آیا تو اس میں سے بیس ہزار آدمیوں کو اپنے ساتھ بغداد میں لایا۔ ہارون مع امرا اور شہزادوں کے خود اس کے استقبال کے لیے شہر سے نکلا۔ اس کے بعد مہر خلافت یحییٰ سے لے کر اس کے حوالہ کی۔

ملکی یا فوجی جس قسم کے کام فضل کے سپرد کیے گئے ہر ایک کو اس نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ خاندان برامکہ میں لیاقت۔ اور سخاوت کے لحاظ سے اس کا نمبر

سب سے فائق تر تھا۔ یحیٰے وزیر اعظم کے ساتھ لوگ اس کو وزیر صغیر کہتے تھے۔

جعفر بن یحیٰے

یحیٰے کا دوسرا بیٹا جعفر ہارون کا ہمدم و ہم نشیں اور حسن خلق۔ فیاضی۔ فصاحت اور بلاغت میں یگانۂ عصر تھا۔ ہارون اس کے برابر کسی کو عزیز نہیں رکھتا تھا۔ اور فضل سے بھی زیادہ اس کے ساتھ مانوس تھا۔ کیونکہ فضل کے مزاج میں کسی قدر خشونت تھی اور یہ لطیف الطبع تھا۔

ایک بار ہارون نے یحیٰے سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ لوگ فضل کو وزیر صغیر کہتے ہیں۔ اور جعفر کو اس لقب سے نہیں پکارتے۔ اس نے جواب دیا کہ فضل چونکہ امور سلطنت میں میری قائم مقامی کرتا ہے اور بڑے بڑے دفاتر اس کے متعلق ہیں اس لیے اس کا یہ لقب ہو گیا۔ اور جعفر آپ کی ہم نشینی کی مشغولیت سے مہمات دولت میں زیادہ دخیل نہیں ہے۔ ہارون نے جعفر کو اسی وقت قصر خلافت کے کل معاملات کا کفیل بنا دیا۔ پھر یحیٰے سے کہا کہ مجھے تو شرم معلوم ہوتی ہے تم خود فضل کو لکھدو کہ وہ خاتم خلافت جعفر کے حوالہ کر دے۔ اس نے فضل کو لکھدیا کہ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ مہر خلافت تم اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں دیدو۔ وہ اس کا مطلب سمجھ گیا۔ اور خاتم خلافت جعفر کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد جعفر بھی وزیر صغیر مشہور ہو گیا۔

سنہ ۱۷۶ھ میں محل شاہی کی داروغگی کے ساتھ مصر کی ولایت کا عہدہ بھی اس کو ملا۔ اس نے اپنی طرف سے عمران بن مہران کو وہاں بھیجدیا۔

سنہ ۱۸۰ھ میں شام میں باہمی عصبیت کی وجہ سے قبائل میں سخت شورش برپا ہوئی۔ ہارون نے اس مہم پر جعفر کو بھیجا۔ اس نے جاکر ان میں باہم مصالحت کرائی۔

اور جو لوگ شریر اور فتنہ پرداز تھے ان کی گوشمالی کی۔ امن و امان قائم کرنے کے بعد بغداد واپس آیا۔ ہارون نے اس موقع پر دربار کیا۔ شعرا نے جعفر کی مدح میں قصائد پڑھے۔ پھر اُس نے مجمع کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ جس سے غرض یہ تھی کہ ہارون شامیوں پر مہربان ہو کر اُن کے قصور کو بخشدے۔ اس کے بعد ہارون نے اس کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ لیکن بیس روز کے بعد بجائے ولایت خراسان کے بغداد کا میر امن یعنی کوتوال بنایا۔ اس نے ہرثمہ بن اعین کو جو اس عہد کا ایک نامور سپہ سالار تھا اپنا نائب کر کے یہ خدمت اس کے سپرد کی۔

جس طرح فضل بن یحیےٰ شاہزادہ امین کا اتالیق تھا اسی طرح جعفر مامون کا اتالیق تھا۔ اور اس کوشش میں رہتا تھا کہ ہارون اس کو ولیعہد بناوے۔ ۱۸۲ھ میں ہارون نے مامون کی ولایت عہد کا فرمان لکھا۔ اور مشرق کی کل ولایتیں اس کے سپرد ہوئیں۔

موسیٰ بن یحییٰ۔

موسیٰ اپنے تمام بھائیوں میں شجاع تر تھا۔ وہ فوج میں بڑا منصب رکھتا تھا۔ علی بن عیسیٰ خراسان کے معزول والی نے ہارون سے اس کی شکایت کی کہ اسی نے خطوط لکھ کر وہاں کے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا تھا۔ اس وجہ سے ہارون اسکی طرف سے بدگمان ہو گیا تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ موسیٰ پر قرضہ کا بار زیادہ بڑھ گیا۔ اور وہ قرضخواہوں کے خوف سے روپوشں ہو گیا۔ ہارون سے لوگوں نے کہا کہ وہ ضرور چھپکر خراسان چلا گیا ہو گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں کوئی فتنہ برپا کرے۔ ہارون اسکی جستجو میں پڑا۔ ۱۸۰ھ میں جب وہ حج کو چلا تو حیرہ میں موسیٰ اسکی

خدمت میں حاضر ہوگیا۔ ہارون نے اس کو قید کر دیا۔ اس کی ماں یعنی وزیر اعظم یحیٰ کی بیوی سفارش کیلیے آئی۔ ہارون چونکہ اس کی کسی سفارش کو مسترد نہیں کرتا تھا اس لیے موسے کو چھوڑ دیا۔ لیکن یہ حکم دیا کہ یحییٰ خود آکر اس کا ضامن ہو۔ چنانچہ یحییٰ نے یہ ذمہ داری لی کہ وہ اسکو اپنی نگرانی میں رکھے گا۔

محمد بن یحییٰ

یہ بھی فوجی عہدہ پر تھا۔ اس کو اس قدر شہرت نصیب نہیں ہوئی جسقدر کہ اس کے اور بھائیوں نے حاصل کی۔

یہ برمکی خاندان عزت۔ دولت۔ سخاوت۔ علم۔ ادب اور علما پروری میں اس زمانہ میں ممتاز۔ اور شعراء۔ ادبا وغیرہ کا کعبۂ حاجات اور قبلۂ مقاصد تھا۔ ان کے جود و کرم اور داد و دہش کے سامنے تمام پرانی داستانیں فنا ہوگئیں۔ انکے کارنامے ہارون الرشید کے عہد کی تاریخ کی زینت ہیں۔

زوال برامکہ

شخصی اور استبدادی سلطنتوں میں جب کسی امیر یا وزیر کا پایہ بلند ہو جاتا ہے تو یا تو وہ خود اپنے رسوخ کے بھروسہ پر اپنے حد سے آگے بڑھجاتا ہے جس کی وجہ سے بادشاہ اس کے اقتدار کو اپنے اختیارات میں مخل پاکر اس کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یا اس کے حاسد ور دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جو بادشاہ کے کان اسکی طرف سے بھرتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ رفتہ رفتہ اس کو مخالف بنا کر اپنے حریف کو مٹا دیتے ہیں۔

ابو جعفر منصور نے ابو مسلم کے روز افزوں عروج کو دیکھ کر اس کو قتل کیا۔ پھر اپنے وزیر ابو عبداللہ کو قید کر کے اس کے اموال ضبط کر لیے

اسی طرح مہدی نے اپنے دونوں وزیروں ابوعبداللہ معاویہ اور یعقوب بن داؤد کو سزائیں دیں۔ یہ سب واقعات ہارون سے پہلے خود اس کے خاندان میں گذر چکے تھے۔

برمکیوں کے بھی اس بلند اور عالی شان رتبہ کو دیکھکر بعض امراء کے دلمیں حسد نے جوش مارا۔ اور انھوں نے ان کے خلاف ہارون کو ابھارنا شروع کیا۔ ہارون کا مزاج سلطنت کے معاملہ میں نہایت شکی بلکہ وہمی واقع ہوا تھا۔ ان حاسدوں نے اسی راہ سے اس کے دل میں برامکہ کے خلاف عداوت کی آگ پھونکنی شروع کی۔ اور ان کے خلوص کی طرف سے جو وزراء کی خاص ترین صفت ہونی چاہیے اس کو بدظن کر دیا۔ اور اس کے دل میں یہ بات جما دی کہ برامکہ بہ نسبت عباسیہ کے علویہ کی امامت کے زیادہ خواہاں ہیں۔

ان مخالفین میں سب سے مقدم فضل بن ربیع تھا۔ یہ منصور کے مشہور حاجب ربیع بن یونس کا بیٹا تھا۔ یحیٰے برمکی اس شخص کو پسند نہیں کرتا تھا۔ ہارون کے آغاز خلافت میں چونکہ اس کی والدہ خیزراں اور یحیٰے یہی دونوں تمام امور سلطنت پر حاوی تھے اس لیے فضل بن ربیع کو کوئی منصب نہیں مل سکا۔ ہارون نے چاہا بھی کہ کوئی ولایت اس کے سپرد کرے لیکن خیزراں نے اس کو روک دیا۔

۱۷۳ھ میں جس دن خیزراں نے وفات پائی اسیدن ہارون نے اس کو بلا کر جعفر بن یحیٰے سے مہر خلافت لے کر اس کے حوالہ کر دی۔ نیز متعدد بڑے بڑے عہدے اس کو دیئے۔ اور مصارف عامہ و خاصہ کا بھی منتظر کیا۔

دربار میں در خور پا جانے کے بعد اب یہ برمکیوں کی پوست کشی پر آمادہ

ہوا۔ لیکن چونکہ ان کا رسوخ بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور قصر خلافت کے اکثر عہدے۔ نیز فوجی و ملکی مناصب وغیرہ انھیں کے ہاتھ میں تھے اس وجہ سے یہ اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں بے اثر پاتا تھا۔

۱۷۶ھ میں یحییٰ بن عبداللہ کا واقعہ پیش آیا جنھوں نے بلاد دیلم میں پہنچکر اپنی امامت کا جھنڈا کھڑا کیا تھا۔ فضل بن یحییٰ برمکی اس مہم پر بھیجا گیا تھا وہ دس لاکھ درہم صرف کرکے وہاں کے قلعہ سے ان کو نکال کر بغداد میں لایا تھا۔ ہارون نے مطمئن اور خوش ہوکر امان نامہ لکھدیا تھا اور ان کو یحییٰ برمکی کے سپرد کیا تھا جہاں وہ عیش و عزت کے ساتھ رہتے تھے۔

فضل بن ربیع نے ہارون کے کان بھرنے شروع کیے کہ یحییٰ بن عبداللہ بغاوت کی تیاری کررہے ہیں اور برامکہ چونکہ ان کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں اس لیے ان کی امداد کررہے ہیں۔ نیز بکار بن عبداللہ زبیری نے بھی جو آلِ علی کا سخت ترین دشمن تھا ہارون سے امام موصوف کی اسی قسم کی شکایتیں کیں۔ اور کہا کہ وہ مخالفت کا سامان کرچکے ہیں اور برامکہ ان کے لیے آسانیاں بہم پہنچا رہے ہیں۔ ہارون چونکہ ملکی خطرات سے بہت ڈرتا تھا اس لیے اس نے امام یحییٰ کو برامکہ سے لے کر قید سخت میں ڈالدیا۔ پھر ارادہ کیا کہ قتل کرادے۔ لیکن چونکہ امان نامہ لکھ چکا تھا اس لیے بدنامی کے خیال سے پس و پیش ہوا۔ علمار کو بلاکر ان سے استردادِ امان کا فتوے طلب کیا۔ قاضی ابو البختری نے کہدیا کہ امان فسوخ ہی۔ چنانچہ ہارون نے ان کو قاضی القضاۃ بنادیا۔ لیکن امام محمد شاگرد امام ابو حنیفہؒ نے فتوے نہیں دیا۔ اس لیے ان کی طرف سے اس کے دل میں کدورت بیٹھ گئی۔

برمکیوں نے کوشش شروع کی کہ امام یحییٰ کو چھڑائیں۔ چنانچہ جعفر کی سفارش پر ہارون نے ان کو اسی کے سپرد کر دیا۔ جعفر نے اپنے رسوخ کے بھروسہ پر جو دربار خلافت میں اس کو حاصل تھا ان کو مخفی طور پر چھوڑ دیا۔ فضل بن ربیع نے اپنا ایک خاص جاسوس جعفر کے یہاں لگا رکھا تھا۔ اس کے ذریعہ سے یہ خبر اس کو مل گئی۔ اس نے فوراً پہونچکر ہارون کو مطلع کیا۔ ہارون نے ظاہر میں بے پروائی سے اس کو جواب دیا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار ممکن ہی کہ اس نے میری خواہش کے مطابق اس کو چھوڑا ہو۔ لیکن اس کے دل میں اس سے تشویش پیدا ہو گئی۔ کھانے کے وقت جعفر آیا۔ دسترخوان پر ہارون نے اس سے مختلف قسم کی باتیں کیں۔ آخر میں امام یحییٰ کا حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ بدستور میرے پاس ہیں۔ ہارون نے کہا کہ قسم تو کھاؤ۔ یہ سنکر اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اور سمجھ گیا کہ میری کارروائی کی اطلاع پہونچ چکی ہی۔ جواب دیا کہ میں نے یہ دیکھکر کہ اب ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہی ان کو یہاں سے رخصت کر دیا۔ ہارون نے بات ٹالنے کے لیے کہا کہ خوب کیا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔ جب جعفر دربار سے رخصت ہوا تو ہارون برابر اس کے پیچھے نظر جمائے دیکھتا رہا۔ اور جسوقت وہ نگاہ سے اوجھل ہونے لگا دانت پیسکر آہستہ سے کہا کہ اگر میں نے تجھکو قتل نہ کیا تو کچھ نہ کیا۔

ہارون کی بیوی زبیدہ بھی جعفر کی سخت دشمن تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مامون کا اتالیق جو زبیدہ کا سوتیلا بیٹا تھا۔ اور اس کی منشا کے خلاف کوشش کر کے امین کے بعد اس کی ولیعہدی کا فرمان لکھوا دیا تھا۔ بلکہ ہارون کو اس بات پر آمادہ کرتا رہتا تھا کہ امین کو ولیعہدی سے نکال کر مامون ہی کو ولیعہد رکھے۔ اس وجہ سے زبیدہ بھی ہارون کو اس کی طرف سے بھڑکاتی رہتی تھی۔

علی بن عیسٰے سابق امیر خراسان بھی برمکیوں کا سخت دشمن تھا۔ اس کو یقین تھا کہ میرے خلاف خراسان میں جو شورشیں اُٹھیں وہ سب انھیں لوگوں کے اشارہ سے اُٹھیں۔ علی کے علاوہ بھی بعض امرا ان کے دشمن تھے۔ ان سب کی شکایات کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف جعفر بلکہ کل برمکی خاندان کی طرف سے ہارون کے دل میں شک پیدا ہو گیا۔

برمکیوں پر بھی یہ بات ظاہر ہو گئی کہ خلیفہ ان سے بدظن ہے۔ اور حریم خلافت میں ان کے خلاف جذبات بھڑکے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یحییٰ وزیر اعظم بھی جب دربار میں آتا تھا تو خدام اس کے سلام کے لیے نہیں کھڑے ہوتے تھے۔ اور اگر پینے کے لیے وہ کبھی پانی مانگتا تھا تو کئی بار پکارنے کے بعد مشکل سے اس کو ملتا تھا۔

آخر محرم ۱۸۷ھ میں ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا۔ اور بجز محمد بن خالد برمکی کے جس کی وفاداری پر اس کو اعتماد تھا کل برمکیوں یحییٰ اور اُس کے بیٹے فضل وغیرہ کو دیر قائم میں نظربند کر دیا۔ ان کا سارا مال ضبط کر لیا اور جس قدر ان کے عمال تھے ان کی موتوفی کا فرمان لکھوا دیا۔

عبد الملک

اسی اثنا میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عبد الملک بن صالح بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے جو درجۂ نسب کے لحاظ سے سفاح اور منصور کا بھائی ہوتا تھا اپنی خلافت کے لیے سازش شروع کی۔ مگر خود اس کے بیٹے عبد الرحمٰن اور اس کے غلام قمامہ نے ہارون کو اس کے ارادہ سے مطلع کر دیا۔ اس نے عبد الملک کو گرفتار کیا۔

اس معاملہ میں بھی اس کو یقین دلایا گیا کہ یہ برمکیوں کی سازش سے ہوا ہے۔ اس نے

یحییٰ برمکی کو طلب کر کے کیفیت پوچھی اور کہا کہ اگر تم عبدالملک کی نیت کے متعلق مجکو اصل حقیقت سے مطلع کر دو گے تو میں تمکو تمھارا منصب پھر دیدوں گا۔ اس نے کہا کہ مجھی عبدالملک کی نیت کی خرابی کی مطلق اطلاع نہیں ہی۔ اور اگر ہوتی تو میں آپ کو اس سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا۔ کیونکہ میں آپکی حکومت میں شریک تھا۔ اور اس کا ساتھ کبھی نہ دیتا۔ اسلیے کہ وہ خلافت حاصل کر لینے کے بعد معلوم نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

ہارون کو اس کی بات پر یقین نہ آیا۔ اور اس کا یہ شبہ دور نہ ہو سکا کہ برامکہ بھی اس سازش میں شریک تھے۔ چنانچہ اس نے اب تک قید میں جو اُن کو ہر طرح کا آرام دے رکھا تھا کہ ان کے نوکر اور خادم سب ان کے پاس تھے اس سے علیحدہ کر کے قید سخت میں ڈالدیا۔ اور بالآخر یہ عظیم الشان خاندان جو اپنی خداداد قابلیت۔ لیاقت اور جود و کرم کی وجہ سے عہد ہارونی کی زینت تھا تباہ و برباد ہو گیا۔ سنہ ۱۹۰ھ میں یحییٰ نے اور سنہ ۱۹۳ھ میں فضل نے قید ہی میں وفات پائی۔

بعض مورخین نے جنھوں نے اصلیت پر نظر نہیں ڈالی اس حادثہ کو ایک ناگہانی استبدادی جوش کا نتیجہ قرار دیا ہی۔ اور بعضوں نے دور از کار باتیں مثلاً جعفر و عباسہ کی بالکل جھوٹی داستان تراشکر اس کی توجیہ کی کوشش کی ہی لیکن اصل حقیقت صرف یہی ہی کہ ہارون کی طبیعت ملکی خطرات میں وہم بلکہ وسواس کی حد تک پہونچی ہوئی تھی۔ اور فضل بن ربیع فطرتاً مفسد اور فتنہ پرداز تھا۔ آگے معلوم ہوگا کہ اسی شخص کی فتنہ انگیزی سے امین اور مامون میں لڑائی ہوئی۔ اس نے برمکیوں کے بڑھتے ہوئے عروج کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھ کر ان کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھا دیا۔ اور ان وزرا کو جنسے خلافت کی عظمت قائم تھی مٹا دیا۔

ہارون نے برامکہ کے بعد وزارت عظمیٰ فضل بن ربیع کے سپرد کی۔ لیکن اس کے پاس وہ دل و دماغ کہاں تھا۔

احوال خارجیہ

ہارون نے رومی سرحدوں کا مرکز منبج کو قرار دیا اور ۱۷۳ھ میں عبدالملک بن صالح کو کل سرحدی افواج کا سپہ سالار بنا کر وہاں رہنے کا حکم دیا۔ دلوک۔ اعیان قورس۔ انطاکیہ اور تیزین میں چھاؤنیاں بنوائیں کہ اسلامی فوجیں جب رومیوں سے جنگ کرکے آئیں تو ان مقامات میں رہیں۔ ان کے مابین بڑے بڑے قلعے تعمیر کرائے۔ انھیں کے متصل ہارون کے خادم ابو سلیم ترکی نے شہر طرسوس آباد کیا۔ جو ہارون کی کوشش سے نہایت آباد مقام ہوگیا۔

صائفہ فوج کا امیر عبدالرحمٰن بن صالح تھا۔ ۱۷۵ھ میں یہ اقریطیہ تک پہونچ گیا تھا۔ ۱۸۱ھ میں ہارون خود صائفہ فوج کو لے کر رومیوں پر حملہ آور ہوا۔ اور حصن صفصاف کو فتح کیا۔ عبدالملک بن صالح رومیوں کے تعاقب میں انگورہ تک پہونچا تھا۔ اس نے اپنے فرائض سپہ سالاری کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ ۱۸۱ھ میں نکبتہ برامکہ کے بعد جب ہارون نے اس کو گرفتار کرلیا تو اس کی بجائے اپنے بیٹے قاسم کو بھیجا۔ قاسم ایک طرف سے خود رومیوں پر بڑھا اور دوسری طرف سے عباس بن جعفر کو بڑھنے کا حکم دیا۔ قلعہ قرہ اور قلعہ سنان پر پہنچکر ان کا محاصرہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے صلح کرلی۔ اور ۳۲۰ مسلمان قیدیوں کو جو انکے پاس تھے چھوڑ دیا۔

قسطنطنیہ میں اس زمانہ میں ملکہ ایرینی فرماں روا تھی۔ فرانس کا بادشاہ شارلمین جس نے روم کو فتح کرلیا تھا چاہتا تھا کہ مغربی اور مشرقی رومی ممالک کو ملا کر پھر ایک بڑی

سلطنت قائم کرے۔ ملکہ مذکور نے یہ دیکھ کر کہ وہ شارلمین اور اسلامی فوج دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی خوشامد کر کے ہارون کو صلح پر راضی کیا۔ اور سالانہ جزیہ میں ایک رقم دینا منظور کر لیا۔

۸۰۲ء میں ملکہ ایرینی کو اراکین سلطنت نے تخت سے اتار کر نقفور کو اس کی جگہ پر بادشاہ بنایا۔ اس نے شارلمین سے صلح کر کے اپنی سلطنت کے حدود قائم کرا لیے۔ پھر ہارون کو لکھا کہ عورت کی کمزور حکومت میں تم نے جو رقم ہماری سلطنت سے وصول کر لی ہے اس کو واپس کر دو۔ اور نیز اپنی دست درازی کا جرمانہ بھی دو۔ ورنہ ہم بزور شمشیر لے لیں گے۔ ہارون نے جس وقت اس خط کو پڑھا جوش غضب سے اس کا چہرہ ایسا تمتما اٹھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے۔ کل درباری یہاں تک کہ وزرا بھی اس کے سامنے سے اٹھ کر ادھر ادھر ہٹ گئے۔ پھر اس نے اپنے قلم سے خود نقفور کو لکھا۔ کہ

اس کا جواب وہ ہے جو تو آنکھوں سے دیکھے گا نہ کہ کانوں سے سنے گا۔

اس کے بعد اسی روز فوج لے کر کوچ کیا۔ اور رومی حدود میں پہونچکر ہرقلہ کے اردگرد خیمے ڈالے۔ کشت و خون سے عاجز آ کر رومی مغلوب ہو گئے۔ اور نقفور نے مجبور ہو کر پھر سالانہ جزیہ پر صلح کی۔ لیکن اسلامی فوج وہاں سے واپس ہو کر جب رقہ میں پہونچی تو معلوم ہوا کہ نقفور نے پیمان کو توڑ ڈالا۔ ہارون کے غصہ کے خیال سے کسی کی یہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس کو اس امر کی اطلاع دے سکے۔ اس لیے ابو محمد عبداللہ بن یوسف شاعر کو اس کے پاس بھیجا۔ اس نے ایک نظم سنائی جس میں نقفور کی عہد شکنی کا لطیف پیرایہ میں ذکر تھا۔ ہارون نے پوچھا کہ کیا واقعی اس نے ایسا کیا؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں۔

ہر چند کہ برف باری کا موسم تھا اور شدت کی سردی پڑ رہی تھی مگر وہ فوجیں لیکر پلٹا۔ اور نقفور کو مغلوب کر کے اس سے جزیہ وصول کیا۔

فریقین میں اسی طرح جنگ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ۱۸۹ھ میں باہم قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔ ۱۹۰ھ میں ہارون نے علاوہ رضا کاروں اور غیر ملازمین مجاہدوں کے ایک لاکھ پینتیس ۳۵ ہزار فوج لے کر رومیوں پر چڑھائی کی۔ ہرقلہ کو فتح کیا۔ وہاں عقبہ بن جعفر کو امیر مقرر کر کے خود آگے بڑھ کر طوانہ میں پہونچا۔ حمید بن معیوف کو جو سواحل شام کا امیر البحر تھا قبرص کی طرف بھیجا۔ اس نے وہاں قبضہ کیا۔ طوانہ میں رومیوں نے شکست کھائی۔ نقفور نے جزیہ پر صلح کی اور پچاس ہزار دینار بھیجے۔ جس میں خود اپنا جزیہ چار دینار اور اپنے بیٹے استبراق کا دو دینار شامل کیا تھا۔ اور اپنے دو بڑے بطریقوں کے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ ہرقلہ میں فلاں شخص کی لڑکی جو میرے بیٹے سے منسوب تھی اسلامی فوج کے مال غنیمت میں آ گئی ہے۔ اگر آپ ازراہ عنایت میری درخواست قبول فرما کر اس کو میرے بیٹے کے لیے دیدیں تو شکرگذاری کا باعث ہوگا۔

ہارون نے اُس لونڈی کو طلب کیا۔ وہ سامنے لائی گئی۔ اس کو آراستہ کرا کے ہر قسم کے عروسانہ ساز و سامان کے ساتھ بطریقوں کے حوالہ کر دیا۔ اور اپنے قاصد کے ہاتھ عطریات اور تحفے بھی بھیجے۔ نقفور نے قاصد کو پچاس ہزار درہم دیے۔ اور انواع واقسام کے تحفے۔ گھوڑے شکاری کتے اور باز ہارون کے لیے بھیجے۔ فریقین میں یہ عہدنامہ ہوا کہ مسلمان صحلہ اور سنان کے قلعوں کو نہ توڑیں گے اور رومی ہرقلہ کو نہ آباد کریں گے اور ہر سال تین لاکھ دینار جزیہ دیتے رہیں گے۔ ہارون چونکہ جنگ وجہاد میں خود شریک ہوتا تھا۔ علاوہ بریں ہرثمہ بن اعین۔ عبداللہ بن مالک۔ سعید بن مسلم بن قتیبہ اور

محمد بن یزید وغیرہ بڑے بڑے شجاع سپہ سالار اس کی فوج میں تھے۔ اس وجہ سے اسلامی قوت ہمسایہ سلطنتوں کے اوپر بہت غالب تھی۔

مغربی روم

شارلمین بادشاہ فرانس نے لمبارڈیا پر قبضہ کر کے سیکسن قوم کو جو جرمنی میں رہتی تھی اور بت پرست تھی عیسائی بنا لیا تھا۔ پھر اس نے المانیا اور اطالیہ کو بھی فتح کر لیا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ مشرقی رومی ممالک کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار میں لا کر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے۔ اور خلافت اسلامیہ میں وہی بین عیسوی کا علم بردار اور زائرین قدس کا حامی تسلیم کیا جائے۔ اسی کے ساتھ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یورپ میں بنی امیہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک دے۔ اس غرض کے لیے اس نے دربار بغداد سے اپنا تعلق پیدا کرنا چاہا اور ہارون کے پاس سفیر بھیجے۔

بنی عباس چونکہ بنی امیہ کے دشمن تھے اس لیے ہارون نے گرم جوشی کے ساتھ ان سفیروں کا استقبال کیا۔ اور پھر اپنے سفیر بھی تحفے اور ہدیے دیکر فرانس میں بھیجے۔ شارلمین نے بھی ان کی تکریم و تعظیم کی اور اس طرح پر دونوں سلطنتوں میں دوستانہ مراسم قائم ہو گئے۔

شارلمین نے اس سے دو فائدے حاصل کیے۔ ایک تو یہ کہ اس کو ہارون کی دوستی کی وجہ سے اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے اور ان کے مقابلہ میں انکے دشمنوں اور مخالفوں کو آزادی کے ساتھ مدد دینے کا موقع ہاتھ آگیا۔ دوسرے یہ کہ خلافت اسلامیہ کے نزدیک اس کا رتبہ شاہ نقفور سے برتر ہو گیا۔

علاوہ بریں اس زمانہ میں یورپ میں مدد ہونے کے اوپر بربریوں کے تسلط کی وجہ سے

علم کا چراغ بجھ چکا تھا۔ اور ہر طرف جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں کی حالت بغداد اور قرطبہ میں اس کے بالکل برعکس تھی۔ اس لیے شارلمین نے یہ چاہا کہ مسلمانوں کی دوستی سے وہ علمی فائدہ بھی حاصل کرے۔ اور اپنی سلطنت کے قوانین کو دولت بغداد کے اصول پر ترتیب دے۔ اس نے ایک یہودی طبیب کو جس کا نام **اسحاق** تھا اور جس نے قرطبہ میں تعلیم پائی تھی ہارون کے دربار میں بھیجا۔ وہ چار سال یہاں رہا۔ اس کے بعد واپس گیا۔ ہارون نے اس کے ساتھ اور بھی تین شخص بھیجے۔ اور شارلمین کیلیے تحفہ میں ایک گھڑی۔ ایک ارغنوں۔ ایک ہاتھی اور چند قیمتی پارچے ان کے ساتھ کر دیے۔ فرانس کے شاہی دربار کے بہت سے لوگوں نے اس گھڑی کو جادو کا کوئی طلسم سمجھا۔ اور بعضوں نے یہ خیال کیا کہ اس میں کوئی جن ہی جو گھنٹی بجاتا ہی۔ چنانچہ انھوں نے چاہا کہ اس کو توڑ ڈالیں لیکن شارلمین نے ان کو اس سے روکا۔

قرطبہ

بغداد اور قرطبہ کے تعلقات باہمی نہایت بُرے اور افسوسناک تھے۔ ہارون بنی امیہ کو باغی اور اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو مٹانے اور فنا کرنے کا خواہشمند تھا۔ شارلمین کے ساتھ اس کے اتحاد اور دوستی کی بڑی وجہ بنی امیہ کی عداوت تھی لیکن ان کی طاقت اور شوکت اسقدر بڑھ گئی تھی کہ کسی کے بس کی نہیں تھی۔ شارلمین نے بھی سر ٹنک کے دیکھ لیا اور اُن کا کچھ نہ کر سکا۔

صفات ہارون

ہارون نہایت دیندار اور فرائض شرعیہ کا بڑا پابند تھا۔ علاوہ فرائض کے روزانہ سو رکعت نماز پڑھتا تھا اور اپنے خاص مال میں سے ایک ہزار درہم خیرات کرتا تھا۔

بیت المال سے جو عطیے دیتا تھا انکا کچھ شمار نہیں ہو سکتا۔ خلفاء بنی عباس میں مامون کے سوا اور کوئی اسقدر فیاض نہیں گذرا۔

حج سے بجز اس کے کہ جہاد میں مصروف ہو کبھی غیر حاضر نہیں رہا۔ اس نے اپنے عہد خلافت میں ۹ حج کیے۔ اور جب جب گیا اپنے ساتھ ایک سو علماء اور فقہاء کو مع ان کے اہل و عیال کے لے گیا۔ جس سال حج میں نہیں جا سکتا تھا اس سال اپنے عوض پر تین سو آدمیوں کو بھیجتا تھا۔

وعظ کا اس کے اوپر بہت اثر ہوتا تھا۔ اور اکثر علماء کے مواعظ سنا کرتا تھا۔ ابن سماک واعظ جب کبھی دربار میں آتے تھے تو اُن سے درخواست کر کے وعظ سنتا تھا۔ اس حالت میں اکثر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات روتے روتے غشی تک اس کی حالت پہنچ جاتی تھی۔

ایک بار ابن سماک دربار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہارون نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ جب پیالہ ہاتھ میں لیا تو ابن سماک نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ سچ سچ بتاؤ کہ اگر یہ پانی تم سے روک لیا جائے تو کس قیمت پر اس کو خرید وگے۔ اس نے کہا کہ سارا ملک دیکر۔ پھر جب پی چکا تو ابن سماک نے کہا کہ اب یہ پانی اگر تمہارے بدن میں رُک جائے تو اسکو نکالنے کے لیے کیا خرچ کرو گے اس نے کہا کہ کل سلطنت۔ انھوں نے فرمایا کہ جس سلطنت کی قیمت ایک جرعۂ آب سے بھی کم ہو وہ اس قابل نہیں کہ اس کے پیچھے ایک قطرہ بھی خون ناحق بہایا جائے۔ یہ سنکر ہارون بہت رویا۔

جہاد فی سبیل اللہ کا اس کو بہت شوق تھا۔ فوجوں کے ساتھ خود جاتا تھا۔ بلکہ اکثر آگے رہتا تھا۔ اس کے اخلاق میں شجاعت کا وصف ممتاز تھا۔ حیا اور مروت بھی

اس میں بہت تھی۔ لیکن اس کا جوشِ غضب بھی بہت سخت تھا۔ اور اس حالت میں کوئی اس کے سامنے جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ دشمن جب اس کے قابو میں پڑتا تھا تو جلد سے جلد اس کو سخت سے سخت سزا دیتا تھا۔ اور بہت کم حالتوں میں معاف کرتا تھا اس خاص صفت میں اس کا بیٹا مامون اس سے فوقیت لے گیا۔ کیونکہ اس میں حلم اس سے زیادہ تھا۔

ہارون اپنے دادا منصور کے قدم بقدم تھا۔ لیکن جود و بخشش میں اس کا پیرو نہیں تھا۔ ادنےٰ ادنےٰ باتوں پر بڑے بڑے انعام دیتا تھا۔ خاصکر اپنی مدح شعراء سے نہایت گراں قیمت پر خریدتا تھا۔

راگ کا بھی شائق تھا۔ اس کے زمانہ میں موسیقی کے بازار نے بہت رونق پائی۔ اسحاق موصلی وغیرہ بڑے بڑے نامور مغنّی اس کے دربار میں جمع تھے۔ نبیذ جس کو علماء عراق نے حلال کر دیا تھا پیتا تھا۔

ہارون اپنے ان صفات کی وجہ سے ممتاز اور نامور خلفاء اسلام میں ہے۔ لیکن اس کے اندر یہ عیب بہت بڑا تھا کہ وہ متلون المزاج اور وہمی تھا۔ اور ہر قسم کی شکایتیں سنتا تھا۔ جس کی وجہ سے فریب کاروں اور خود غرضوں کو موقع مل گیا اُنھوں نے غمازی کا دروازہ کھول دیا۔ اور بہترین امراء۔ وزراء اور سلطنت کے کارپردازوں کو اپنی سازشوں کا شکار بنایا۔

وفات

رافع بن لیث کی خراسان میں بغاوت کا حال سنکر ۱۹۲ھ میں ہارون نے اپنے بیٹے محمد امین کو بغداد میں اپنا قائم مقام بنایا۔ اور مامون کو اپنے ساتھ لے کر ایک جرار

فوج کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ طوس میں پہونچکر بیمار رہا۔ اور وہیں تین ۳
جمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۴ مارچ شنبہ ۶ کو رات کے وقت انتقال کر گیا۔ اسکے
بیٹے صالح نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ قبر طوس میں ہی۔ مدت خلافت ۲۳ سال دو
ماہ ۱۸ روز رہی۔

اولاد

چار بیٹیاں اور بارہ بیٹے چھوڑے۔ بیٹوں کی تفصیل یہ ہی۔ محمد ابن زبیدہ کے بطن
سے۔ علی امۃ العزیز کے شکم سے جو موسے ہادی کی ام ولد تھی۔ اور عبداللہ مامون۔
قاسم موتمن۔ محمد معتصم۔ صالح۔ محمد ابو عیسے۔ محمد ابو یعقوب۔ محمد ابو العباس۔ محمد ابو
سلیمان۔ محمد ابو علی۔ محمد ابو احمد مختلف امہات ولد سے۔

(۶) امین

محمد امین ابن ہارون الرشید۔ اس کی والدہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور تھی۔ امین
باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہاشمی ہی۔ اور یہ وہ خاندانی خصوصیت ہی کہ سوائے حضرت
علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما کے اور کسی خلیفہ کو حاصل نہیں ہوئی۔

اس کی ولادت ۱۷۰ھ میں ہوئی تھی۔ ہارون نے ۱۷۵ھ میں اس کی ولایت عہد
کا فرمان لکھا۔ ۱۹۲ھ میں جب وہ خراسان کی طرف گیا تو اس کو بغداد میں اپنا قائم مقام کر گیا۔
طوس میں پہونچکر اُس نے وفات پائی۔ وہیں امرا فوج نے امین کی خلافت کی بیعت کی۔
جب بغداد میں خبر آئی تو بیان بیعت عام لی گئی۔

احوال داخلیہ

ہارون نے اپنے تینوں بیٹوں **محمد امین**۔ عبداللہ **المامون**۔ اور **قاسم موتمن** کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنایا تھا۔ اور کل سلطنت کو ان تینوں میں تقسیم کردیا تھا۔ طوس میں جب وہ بستر مرگ پر تھا اور مامون اس سے آگے بڑھکر مرو میں پہونچ چکا تھا۔ اس نے پھر امرا فوج اور وزرا بالخصوص وزیر اعظم **فضل بن ربیع** کو بلاکر پیمان ولیعہدی کی تجدید کی۔ اور سب سے اس بات پر عہد لیا کہ یہ فوج مامون کی ہے۔ اس کو مع جملہ ساز وسامان کے اسی کے پاس مرو میں پہنچنا چاہیے۔

لیکن مامون چونکہ **جعفر برمکی** کا تربیت کردہ اور اسی کی کوشش سے ولیعہد ہوا تھا اس لیے اس کی طبیعت میں فضل بن ربیع کی طرف سے جس نے برمکی خاندان کو تباہ کرایا تھا کدورت تھی۔ ہارون جب انتقال کرگیا تو فضل نے جو امین کے طرفداروں میں سے تھا امرا فوج کو جمع کرکے کہا کہ ہم مامون کے پاس جاکر کیا کریں گے۔ ہم کو خلیفہ امین کے پاس چلنا چاہیے۔ وہ جیسا حکم دیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اہل فوج کو وطن اور گھر کے اشتیاق کی وجہ سے یہ رائے پسند آئی۔ ہارون کی وصیت اور اس کے عہد کو انھوں نے پس پشت ڈالا۔ اور بغداد کی جانب کوچ کیا۔

مامون کو مرو میں جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے امرا سے مشورہ لیا کہ ایسی حالت میں ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ اکثر لوگوں نے یہ رائے دی کہ آپ خود دو ہزار سواروں کو لے کر جائیے اور اس فوج کو واپس لائیے۔ لیکن **فضل بن سہل** نے جو اس کے دربار میں سب سے زیادہ قدر اور مرتبہ رکھتا تھا کہا کہ یہ رائے درست نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کسی معتبر اور زبان آور شخص کو خط دیکر بھیجیں جو اُن کو خلیفہ سابق کا عہد یاد دلا کر

سمجھائے اور واپس لائے۔ مامون نے خط اور قاصد بھیجا۔ وہ نیشاپور میں اس فوج سے آکر ملا۔ لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور فضل بن ربیع سب کو ساتھ لیے ہوئے بغداد چلا گیا۔

مامون اپنی اس قوت کے نکل جانے اور فضل کی اس مخالفت کی وجہ سے بہت مایوس اور غمگین ہوا۔ لیکن فضل بن سہل نے اس کی ہمت کو قوی کیا۔ اور کہا کہ ہم یہاں سب سامان کرلیں گے۔ مامون نے تمام کاروبار کو اسی کے متعلق کردیا۔

ابن سہل کے مشورہ سے مامون نے سب سے پہلے مرو کے فقہا اور قضاۃ کو بلایا۔ اور اُن کو حکم دیا کہ انصاف کے ساتھ بلا رو رعایت رعایا کے معاملات اور مقدمات کو طے کیا کریں۔ ان میں بیٹھیں۔ سب کے حق کا خیال رکھیں اور اچھا برتاؤ کریں۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ جمہور پر اثر پڑے اور انکی ہمدردی حاصل ہوجائے۔

مامون نے شاہی فوج کے چلے جانے پر بھی امین کے پاس سلسلہ وار خطوط اور ہدیے بھیجنے شروع کیے۔ اور کسی قسم کے غم و غصہ کا اظہار نہیں کیا۔ تاکہ اُس کے دل میں مخالفت کا شک پیدا نہ ہو۔ امین بھی اس سے خوش تھا۔

فضل بن ربیع کو اپنی اس کارروائی کی وجہ سے یہ خطرہ ہوگیا تھا کہ اگر خلافت کسی دن مامون کے ہاتھ میں آگئی تو میرا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا۔ اس لیے اس نے یہ کوشش شروع کی امین مامون اور موتمن دونوں کو ولیعہدی سے نکال کر اپنے بیٹے موسے کو ولیعہد کردے۔ ہرچند امین کی یہ مرضی نہیں تھی اور وہ چاہتا تھا کہ باپ کے عہد کو پورا کرے لیکن فضل اور اُس کی جماعت کی کوشش سے جس میں زبیدہ بھی شریک تھی آخر وہ اس بات پر راضی ہوگیا۔ پہلے اس نے موتمن کو اس ولایت سے معزول کرکے جس پر

اس کو ہارون مقرر کر گیا تھا بغداد میں بلا لیا۔ پھر خراسان میں مامون کے پاس عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ کو ایک وفد کے ساتھ بھیجا کہ وہ ولی عہدی میں موسیٰ بن امین کی تقدیم پر راضی ہو جائے۔ مامون نے انکار کیا۔ اور عباس مذکور کو امیدیں دلا کر اپنا طرفدار بنا لیا۔ چنانچہ بغداد میں آنے کے بعد وہ یہاں کی کل خبریں مامون کو مخفی طور پر بھیجا کرتا تھا اور اس کو مشورے بھی دیتا تھا۔

امین نے مامون کے انکار کے باوجود اپنے بیٹے موسیٰ کو ولیعہد بنا دیا اور تمام صوبوں میں فرمان بھیجا کہ منبروں پر خلیفہ کے نام کے بعد اسی کا نام لیا جایا کرے۔ اور مامون اور موتمن کے نام خطبوں سے خارج کر دیے جائیں۔ حج کے موسم میں ایک امیر کو مکہ بھیجکر اہل حرم سے بھی موسیٰ کی ولیعہدی کی بیعت لی۔ اور وہ عہد نامے جو ہارون نے لکھوا کر خانہ کعبہ میں رکھے تھے منگا کر چاک کر دیے۔

مامون کو جب یہ خبریں ملیں تو اُس نے مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ اور خراسان کے اُن تمام راستوں پر جو مغرب سے آتے تھے ناکہ بندی کے لیے محافظ متعین کر دیے جو کسی مسافر یا تاجر کو بلا تفتیش گذرنے نہیں دیتے تھے۔ تاکہ یہاں کی کسی قسم کی خبر دارالخلافت نہ پہنچے اور نہ وہاں کے امرا کی کوئی سازش یہاں پھیل سکے۔ چنانچہ فضل بن ربیع نے جتنے خطوط اور قاصد خراسان روانہ کیے سب واپس گئے۔ اور اُس کی کسی قسم کی کارروائی مامون کے خلاف وہاں نہیں چل سکی۔

مامون نے ایک لشکر گراں اپنے غلام طاہر بن حسین کی قیادت میں مرو سے رے کی طرف روانہ کیا۔ اس نے وہاں پہونچکر ہر طرف طلائے اور جاسوس بھیجے۔

بغداد میں فضل بن ربیع نے مامون کے مقابلہ کے لیے چالیس ہزار فوج تیار کی۔

علی بن عیسٰے بن ماہان کو جبل - نہاوند - ہمدان قم اور اصفہان کی ولایت کا فرمان دیکر اس لشکر کا سپہ سالار بنایا - اور وسط جمادی الثانی ۱۹۵ھ میں اس کو روانہ کیا - زبیدہ خاتون کے مشورہ سے چاندی کی ایک زنجیر بھی اس کو دی کہ اس میں مقید کرکے مامون کو لانا -

علی بن عیسٰے پہلے خراسان کا امیر رہ چکا تھا - اور اس کے مظالم کی داستانیں وہاں مشہور تھیں - اہل خراسان نے جو طاہر کے ساتھ تھے جب یہ سنا کہ وہ اپنی ولایت کا فرمان لے کر ہم سے لڑنے کے لیے آرہا ہے تو ان کی آتش حمیت بھڑک اُٹھی - نہایت جوش کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ مامون جیسے عادل امیر کے ہوتے ہوئے ہم اس ظالم کو کبھی یہاں آنے نہیں دینگے -

مغرور علی بن عیسٰے نے جب سنا کہ مامون کی فوجوں کو طاہر لے کر آیا ہے تو بہت ہنسا - اور کہا کہ طاہر کو کیا خبر کہ جنگ کیا چیز ہے - غلام - اور لشکر کشی ! ! دیکھنا ! جب ہمدان سے آگے بڑھیں گے وہ ہمارے آنے کی خبر سنکر اس طرح بھاگ جائے گا جسطرح لومڑی شیر سے بھاگتی ہے - اور اگر رہ گیا تو پہلی تلوار اسی پر پڑے گی -

جب رے کے متصل پہنچ گیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ اب ہم دشمن کے قریب ہیں بہتر یہ ہے کہ طلائے اِدھر اُدھر بھیجے جائیں - جاسوس معین کر دیے جائیں - اور کوئی مقام تلاش کریں جو فوج کے قیام کے لیے موزوں ہو - اس کے ارد گرد خندق کھود کر اس کو محفوظ بنا لیں تاکہ فوج اطمینان کے ساتھ اس میں ٹھہر سکے -

علی بن عیسٰے نے کہا کہ یہ سب سامان سپہ سالاروں کے مقابلہ میں کیے جاتے ہیں - طاہر کے لیے ان میں سے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں ہے - وہ ہمارے خوف سے

یا تو بھاگ جائے گا یا قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے گا۔ پھر ہم ایسا سخت محاصرہ کرینگے کہ خود وہیں کے لوگ اس کا کام تمام کر دینگے۔ ہم کو تکلیف کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔

یحییٰ بن علی ایک امیر فوج نے کہا کہ دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر جنگی اصول پر فوج کی حفاظت کا سامان نہ کیا گیا تو مجھے شب خون کا ڈر ہے۔ بیشتر ایک چنگاری سے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ اور ایک رخنہ سے سیلاب آجاتا ہے۔ طاہر کو اگر بھاگنا ہوتا تو اب تک وہ یہاں پڑا نہ رہتا۔

علی نے کہا کہ طاہر جیسے لوگ ہمارا کیا کر سکتے ہیں۔ ایسے غلاموں سے ہم نہیں ڈرتے

ادھر طاہر امراء فوج کے متفقہ مشورے سے اپنا لشکر لے کر رے سے نکلا۔ اور پانچ میل فاصلہ پر قیام کیا۔ وہاں اس نے اس کو مرتب کیا۔ ایک ایک دستہ کے ساز و سامان کو دیکھا اور سب کو ٹھیک کیا۔

فریقین کا جب مقابلہ ہوا تو پہلے طاہر کے میمنہ نے شکست کھائی۔ اس نے اس کو قلب کی طرف ہٹا لیا۔ پھر میسرہ کے قدم بھی اکھڑنے لگے۔ یہ دیکھکر اس نے بغدادیوں کے قلب پر بے جگری کے ساتھ حملہ کیا۔ اور توڑ دیا جتنے علم تھے سب چھین لیے۔ علی بن عیسےٰ تیر کے زخم سے ہلاک ہوا۔ اور اسکی فوج شکست کھا گئی۔

طاہر نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص اپنے ہتھیار رکھدے اس کو امان ہے۔ بغدادیوں نے ہتھیار رکھدیے اور گھوڑوں سے اتر پڑے۔ طاہر رے میں آ گیا۔ اور مرو میں فتح نامہ بھیجا کہ

بغدادی فوج میری ماتحتی میں ہے اور علی بن عیسےٰ کا سر میرے سامنے ہے۔

یہ خط جس وقت فضل بن سہل کو ملا اسی وقت پہونچکر اس نے مامون کو خوشخبری

اور خلافت کا سلام کیا۔ پھر طاہر کی مدد کے لیے اور فوجیں روانہ کیں۔

بغداد میں خلاف توقع جب اس شکست کی اطلاع پہونچی تو دربار میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ فضل بن ربیع نے بیس ہزار فوج عبدالرحمٰن بن جبلہ ابناوی کی ماتحتی میں طاہر کے مقابلہ کے لیے بھیجی۔ ہمدان کے متصل معرکہ پیش آیا۔ عبدالرحمٰن شکست کھا کر قلعہ گیر ہو گیا۔ جب فوج کی حالت کچھ ٹھیک ہوئی تو پھر نکلکر میدان میں آیا لیکن دوبارہ شکست کھائی۔ مجبوراً طاہر سے امان مانگی۔ اس نے منظور کر لی۔

اب فضل بن ربیع خوف زدہ ہو گیا۔ لیکن پھر کوشش کر کے اس نے بیس ہزار سپاہی احمد بن مزید کی سرکردگی میں بھیجے۔ اس کے بعد بیس ہزار اور عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کی ماتحتی میں اس کی کمک کے لیے روانہ کیے۔ یہ دونوں فوجیں حلوان کے متصل تعین خانہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے خیمہ زن ہوئیں۔ طاہر کے جاسوس بھی ان میں جا کر ملگئے اور کچھ اس طرح کی تدبیریں کیں جنکی وجہ سے یہ دونوں فوجیں خود آپس میں لڑ پڑیں۔ اور طاہر کا مقابلہ کیے بغیر بغداد کو واپس چلی گئیں۔

مامون نے طاہر کی جگہ پر حلوان میں ہرثمہ بن اعین کو متعین کیا۔ اور طاہر کو لکھا کہ تم اپنی فوجیں لیے ہوئے اہواز کی طرف چلے جاؤ۔ تاکہ بغداد پر دونوں طرف سے حملہ ہو سکے۔ اس حکم کے مطابق طاہر اہواز کی طرف بڑھا۔ وہاں کے عامل محمد بن یزید مہلبی نے نکل کر صف آرائی کی۔ لیکن ہزیمت اٹھا کر بھاگا۔ طاہر نے وہاں قبضہ کیا۔ اور فارس سے لیکر یمامہ اور بحرین تک اپنے عمال مقرر کیے۔

طاہر کی طاقت اور شوکت اسقدر بڑھ گئی تھی اور فتوحات کی وجہ سے اس کا نام ایسا ہیبت ناک ہو گیا تھا کہ جس طرف وہ رُخ کرتا تھا امرا اور عمال خلافت اس کی

نام سنتے ہی اس جگہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے ۔ چنانچہ جب وہ اہواز سے واسط کی طرف روانہ ہوا تو وہاں کے امیر نے بھاگنے کی تیاری کی ۔ کسی نے کہا کہ آپ کو بھاگنا نہیں چاہیے ۔ اس نے کہا کہ جانتے ہو کون آرہا ہے ۔ طاہر !! اس سے بھاگنے میں کوئی عار نہیں ہے ۔

طاہر نے واسط سے ایک دستہ فوج کوفہ کی طرف بھیجا ۔ وہاں کے امیر عباس بن موسیٰ ہادی نے امین کی بیعت کو فسخ کر کے مامون کی خلافت کو تسلیم کر لیا ۔ نیز منصور بن مہدی امیر بصرہ نے بھی یہی کیا ۔ یہ سب واقعات ۱۹۶ھ میں ہوئے ۔

امین کی طرف سے حجاز کا عامل داؤد بن عیسیٰ تھا ۔ جب امین نے وہاں سے مامون اور موتمن کے ولی عہدی کے فرمان کو منگا کر پھاڑ ڈالا ۔ تو داؤد نے ۲۷ رجب ۱۹۶ھ میں اہل قریش ۔ علماء ۔ فقہا ۔ اور حجاب کعبہ کو جمع کر کے کہا کہ ہارون الرشید نے عہد ولایت کو اس مقدس گھر میں بطور امانت کے حفاظت کے لیے رکھا تھا ۔ اور اس پر ہم سب لوگوں کو گواہ بنایا تھا اور عہد لیا تھا کہ اگر اس کی خلاف ورزی ہو تو تم لوگ مظلوم کا ساتھ دینا ۔ لہٰذا امین نے چونکہ ظلم کیا اور عہد شکنی کی اس لیے ہم لوگوں کو مامون کا ساتھ دینا چاہیے ۔ حاضرین نے اس کے ساتھ اتفاق کیا ۔ اور امین کو خلافت سے معزول کر کے مامون کی خلافت پر بیعت کی ۔ اہل مدینہ نے بھی یہی کیا ۔ اس کے بعد داؤد حجاز سے مرو میں جا کر مامون سے ملا ۔ اور اسکو یہ کیفیت سنائی ۔ اس نے ان متبرک مقامات کی بیعت کو اپنے لیے فال نیک سمجھا اور خوش ہوا ۔ داؤد کو بدستور وہاں کی امارت کا فرمان دیکر رخصت کیا اور اہل حرمین کے نام خط لکھ کر دیا جس میں ان کو بہت کچھ

بہتری کی امید دلائی۔ راستہ میں داؤد طاہر سے بھی ملا۔ اس نے یزید بن جریر قسری کو یمن کا امیر مقرر کرکے اس کے ساتھ کر دیا۔ وہ جسوقت یمن میں پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے بھی مامون کی خلافت پر بعیت کر لی۔

بغداد میں اس اثنار میں یہ واقعہ ہوا کہ امین نے عبدالملک بن صالح کو جسکو ہارون قید میں چھوڑ گیا تھا رہا کیا۔ اور اس سے یہ خواہش کی کہ وہ جن فوجوں کا سپہ سالار تھا ان کو لے کر میری امداد کرے۔ اس کے پاس جسوقت فوجوں کا اجتماع ہوا اسوقت شامیوں اور ان خراسانیوں میں جو اس میں شامل تھے قومی عصبیت پر جھگڑا ہو گیا۔ اسوجہ سے اہل شام اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنے ملک کی طرف چلے گئے۔ عجمی فوج کا سرغنہ حسین بن علی بن عیسےٰ تھا وہ ان کو لے کر بغداد میں آیا۔ اور گیارہ رجب ۱۹۶ھ کو وہاں امین کی معزولی اور مامون کی خلافت کا اعلان کرکے قصر خلافت میں جاکر اسکو گرفتار کر لیا۔

محمد بن ابی خالد نے اہل بغداد سے کہا کہ حسین کہاں سے ہمارا امیر ہو گیا۔ اور اسکو یہ حق کس نے دیا کہ وہ خلیفہ کو معزول کرے۔ چنانچہ روسار و امرار اور خاصکر اسد حربی نے امین کو قید سے چھڑا کر پھر تخت پر بٹھلایا۔ اور حسین کو گرفتار کرکے اس کے سامنے لے گئے۔ خلیفہ نے اس کو ملامت کی۔ اور کہا کہ میں نے تمھارے باپ اور خود تمھارے اوپر جو احسانات کیے ہیں کیا اُنکا بدلہ یہی تھا۔ اس کے بعد اس کے قصور کو معاف کر دیا۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ کیونکہ حسین نے پھر بغداد سے بھاگنے کی کوشش کی۔ لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا۔

ادھر تو یہ شورشیں تھیں ادھر مامون کی فوج نہایت مطمئن اور ساز و سامان سے درست تھی۔ طاہر اور ہرثمہ دونوں نے پوری تیاری کرکے دونوں سمت سے آکر بغداد کا محاصرہ

کرلیا۔ طاہر خود باب انبار کے سامنے بستان میں اترا۔ ہرثمہ کو نہر بین پر متعین کیا عبید اللہ بن وضاح کو شماسیہ کی طرف اور مسیب بن زہیر کو قصر کلواذی کی جانب۔ ہر سمت سے منجنیق اور قلعہ شکن آلات نصب کرائے۔ اور شہر پر پتھر برسانا شروع کیا جس سے بیشتر عمارتیں خراب ہوگئیں۔ اور اہل شہر شدت محاصرہ سے تنگ آ گئے۔

امین کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ اس نے اپنے آرائشی ساز و سامان۔ سونے چاندی کے برتن یہانتک کہ تمام جواہر اور زیورات بیچکر فوج کے مصارف میں لگا دیئے اپنی امداد کے لیے شہر کے اوباشوں کو جمع کیا اور قید خانوں سے قیدیوں کو نکالا۔ لیکن ان سے بغداد والوں پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ محاصرہ کی مصیبت سے کہیں زیادہ تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے قوت پاکر علانیہ لوٹ مار اور غارت گری شروع کردی۔

امین نے مجبور ہوکر ہرثمہ سے اپنی جان کی امان طلب کی۔ اس نے منظور کرلیا۔ لیکن طاہر کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے امان مسترد کردی۔ امین نے اپنے درباریوں کے مشورہ سے یہ کوشش شروع کی کہ مخفی طور پر ہرثمہ کے پاس پہونچکر اس کی حمایت میں آجائے۔ ہرثمہ بھی اسپر راضی تھا۔ چنانچہ وہ اس کے لینے کے لیے قصر خلافت کے قریب کشتی میں بیٹھ کر رات کو گیا۔ لیکن طاہر اس سازش سے غافل نہیں تھا۔ اس نے بھی اپنے آدمی وہاں بھیجدیے۔ امین جسوقت قصر سے نکل کر کشتی میں سوار ہوا ان لوگوں نے اسپر تیر برسائے اور پتھر پھینکے یہانتک کہ وہ کشتی ڈوب گئی۔ ہرثمہ کو اُس کے ساتھیوں نے نکالا۔ امین پانی میں تیرنے لگا۔ اس کو طاہر کے سپاہیوں نے پکڑلیا۔ اور اس کے حکم سے قتل کردیا۔ یہ واقعہ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ میں ہوا۔

طاہر نے مامون کو فتحنامہ لکھا۔ اور بغداد کی پوری کیفیت سے اس کو مطلع کیا۔

نیز وہ وجوہات بھی لکھے جن کی بنا پر امین کا قتل ناگزیر تھا۔

جمعہ کے دن طاہر بغداد میں داخل ہوا۔ نماز پڑھائی خطبہ میں اہل بغداد کو امان عام دی۔ اور اطمینان دلایا۔ پھر تاکید کی کہ وہ فتنہ اور فساد سے باز رہیں۔ اور سرکشی نہ کریں۔

اس طرح پر اس عظیم الشان فتنہ کے پہلے حصہ کا خاتمہ ہوا جس میں بلا کسی فائدہ کے امت کے بہت سے افراد غارت اور برباد ہو گئے۔

اس تفریق اور باہمی خونریزی کی ذمہ داری سب سے پہلے خود ہارون الرشید پر اور پھر اس کے بعد اس کے وزیر فضل بن ربیع کی گردن پر ہے۔

ہارون نے پہلی غلطی یہ کی کہ اپنے بعد امین کو ولیعہد بنایا۔ جو عقل۔ علم نیز سن میں بھی مامون سے کم تھا۔ مامون کے مقابلہ میں اس میں کوئی خصوصیت بجز اس کے نہیں تھی کہ وہ زبیدہ کے شکم سے تھا جو ملکہ تھی۔ اور یہ اگر ترجیح کا سبب ہو سکتا ہے تو صرف نادانوں اور خواہش پرستوں کے نزدیک نہ کہ عقلاء کی نظر میں۔

پھر جب اس کو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا تو اس نے اس کا تدارک یہ کیا کہ امین کے بعد مامون کو بھی ولیعہد کر دیا۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو ہر قسم کے امتیازات عطا کر کے رے اور خراسان کا مستقل فرمانروا بنا دیا۔ اور یہ نہیں خیال کیا کہ جس قدر امتیازات زیادہ ہوں گے اسیقدر مشکلات اور اسباب فساد میں زیادتی ہو گی۔ امین اور مامون میں باہم منافست قائم تھی۔ اور ہر ایک کے پاس ایک ہمخیال جماعت اور ایک فوجی قوت بھی تھی۔ مبصرین ہارون کی زندگی ہی میں اسبات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اسکی موت کے بعد ان دونوں بھائیوں میں صفائی نہیں رہ سکتی۔

ہارون سے تیسری غلطی یہ ہوئی کہ اس نے اپنے تیسرے بیٹے موتمن کو بھی مامون کے بعد ولی عہد بنایا۔ اور اس کو جزیرہ و آرمینیہ میں وہی سارے امتیازات عطا کیے جو مامون کو خراسان میں بخشے تھے۔ خلیفہ ہو جانے کے بعد امین کو جس امر نے سب سے زیادہ نقض عہد پر آمادہ کیا وہ یہی تھا کہ اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بازو کٹے ہوئے ہیں۔ اور اسلامی ممالک کے دو عظیم الشان حصوں میں جو سب سے بڑے فوجی مرکز ہیں اس کا کوئی اقتدار نہیں۔

چوتھی غلطی ہارون کی یہ ہے کہ اس نے اپنے وزیر فضل بن ربیع کو مطلق نہیں پہچانا اور اسکی باتوں پر اعتماد کیا۔ حالانکہ یہ شخص غماز۔ حاسد اور فتنہ پرداز تھا۔ اسی کی سازشوں سے برامکہ برباد ہوئے اور خلافت ان کی مدبرانہ خدمات سے محروم ہوئی۔ پھر امین کے زمانہ میں بھی یہ اپنی عادت سے باز نہ آیا اور اس کو عہد شکنی پر آمادہ کر کے مامون اور موتمن کو ولیعہدی سے معزول کرایا۔ اور جب فتنہ بڑھ گیا اور بغداد کا محاصرہ ہوا تو آخری وقت میں اسکی کچھ بھی مدد نہ کی اور روپوش ہو گیا۔

ان وجوہات کے علاوہ خلفاء عباسیہ کی روایات بھی عہد شکنی میں بے اثر نہ تھیں۔ ان میں سے جو شخص بھی خلیفہ ہو گیا اس نے اپنے بھائیوں کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاہا۔ خود ہارون کو یہ تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ ہادی اسکو محروم کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ ہارون کو کچھ خاص امتیازات بھی حاصل نہ تھے۔ ایسی حالت میں پختہ سے پختہ عہد کر کے اس کو خانہ کعبہ میں امانت رکھ کے اور اہل حرم اور اللہ و رسول کو گواہ کر کے بھی اسکو مطمئن نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اور گذشتہ واقعات سے عبرت پکڑنی چاہیے تھی۔

صفات امین

امین جسوقت خلیفہ ہوا۔ اپنے عیش کے سامان میں مصروف ہوگیا۔ لہو ولعب۔ غنار اور زمبندیی اسکی دلچسپی کی چیزیں تھیں۔ اطراف ملک سے اسی قماش کے لوگونکو جمع کرکے اپنے ہم نشینوں میں شامل کیا۔ اور ان کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔ خزانہ کے جواہر لونڈیوں اور خواجہ سراؤں میں تقسیم کردیے۔ اور اپنے لیے نئے نئے قصور اور محلات تعمیر کیے۔ جابجا سے طرح طرح کے جانور اور پرند منگائے۔ ہاتھی۔ شیر۔ گھوڑے۔ عقاب۔ اور سانپ کی صورت کی پانچ کشتیاں بنوائیں کہ ان کے اوپر سوار ہوکر دجلہ میں تفریح کرے۔

ان مشاغل میں خلافت کا کام بالکل چھوڑ دیا۔ دربار میں آنا بھی بند کردیا۔ پھر فضل بن ربیع وغیرہ کے اغوا سے عہد ولایت کو خانہ کعبہ سے منگوا کر چاک کر ڈالا۔ اور اپنے بیٹے موسے کو ولیعہد بنایا۔ عہد اور کعبہ کی اس بے حرمتی کو دیکھ کر جمہور اس سے برگشتہ ہوگئے۔ اور اکثروں نے مامون کا ساتھ دیا۔

امین اور نیز فضل بن ربیع نے اپنے آپ کو ان دشوار گذار رستوں میں ڈالدینے کے بعد بھی دانشمندی اور دور اندیشی سے کام نہیں لیا۔ اور مامون کے مقابلہ کے لیے علی بن عیسے کو بھیجا جس کے مظالم کی وجہ سے اہل خراسان پہلے ہی سے اس کے دشمن تھے۔ چنانچہ انھوں نے نہایت جوش کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور اسپر غالب آئے۔

پھر محاصرہ بغداد کے زمانہ میں قیدیوں اور اوباشوں سے مدد لے کر اپنی نادانی کا پورا ثبوت دیدیا۔ اس شورش اور خلفشار کے زمانہ میں بھی امین برابر اپنے لہو ولعب میں مشغول رہا۔ بخلاف اس کے مرو میں مامون کی محفل میں علما اور فقہا اور ارباب عقل کا

مجمع رہتا تھا۔ اور وہ ان سے ہر قسم کے سیاسی اور علمی امور میں گفتگو اور مشورہ کرتا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ جمہور اس کے اسیقدر گرویدہ ہو گئے جسقدر کہ امین سے متنفر تھے حالانکہ امین اس خصوصیت میں تمام خلفاء عباسیہ میں ممتاز تھا کہ باپ اور ماں دونوں کیطرف سے ہاشمی تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مقبولیت کا دارومدار انسان کے عمل پر ہے نہ کہ نسب پر۔

امین کی مدت خلافت ۴ سال ۸ مہینے رہی۔

(۷) مامون

عبداللہ المامون بن ہارون الرشید۔ اس کی والدہ جس کا نام مراجل تھا ام ولد تھی۔

مامون کی ولادت ۱۷۰ھ میں اسی دن ہوئی جسدن ہارون خلیفہ ہوا۔ جب اسکا سن تیرہ سال کا ہوا تو اس نے امین کے بعد اس کی ولیعہدی کا فرمان لکھا۔ اور خراسان کا اس کو مستقل امیر بنا دیا۔ جعفر بن یحیٰے برمکی اس کا اتالیق اور کارپرداز تھا۔

ہارون کی وفات کے بعد امین نے خلیفہ ہو کر اپنے بیٹے موسےٰ کو اس کے اوپر ولیعہدی میں مقدم کرنا چاہا۔ مامون نے اس کی مخالفت کی جسکی وجہ سے دونوں بھائیوں میں وہ خونریز لڑائیاں پیش آئیں جن کی مفصل کیفیت ہم امین کے حال میں لکھ چکے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ مطابق ۵ ستمبر ۸۱۳ء کو امین بغداد میں مقتول ہوا۔ اور مامون کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ مامون مرو میں تھا۔ اس کا وزیر فضل بن سہل جو عجمی نژاد تھا بوجہ اپنے اس کارنامہ کے اس کے اوپر حاوی ہو گیا۔ اور اس نے یہ چاہا کہ

بجائے بغداد کے مرو کو دار الخلافہ بنا کر مامون کو وہیں اپنے قبضہ میں رکھے اور امور خلافت کو اپنے ہاتھ سے نکلنے نہ دے۔ لیکن طاہر اور ہرثمہ جیسے زبردست سپہ سالاروں کے عراق میں موجود ہوتے ہوئے، جو مامون کے حقیقی خیرخواہ تھے فضل کی یہ آرزو پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لیے مامون کی طرف سے اس نے دو فرمان بھیجے۔ پہلا فرمان طاہر کے نام تھا کہ تم کو موصل۔ اور جزیرہ کی ولایت دی جاتی ہے۔ تم رقہ میں پہونچکر نصر بن شبث کا مقابلہ کرو۔ اور ان ممالک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لو۔ طاہر کو اس حکم کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس لیے وہ بغداد کو چھوڑ کر رقہ کی طرف چلا گیا۔ اس کی بجائے فضل بن سہل نے اپنے حقیقی بھائی حسن بن سہل کو جبال۔ فارس۔ اہواز۔ بصرہ۔ کوفہ حجاز اور یمن کا والی عام مقرر کر کے بھیجدیا۔

دوسرا فرمان ہرثمہ کے نام تھا کہ تم خراسان میں آؤ۔ وہ حسب الحکم بغداد کو چھوڑ کر مشرق کی طرف روانہ ہوگیا۔

شورش عراق

اہل عراق ہمیشہ سے قوت کے غلام رہے ہیں۔ امین اور مامون کی باہمی کشمکش میں وہاں جو خلفشار پیدا ہوگیا تھا اس کے بعد یہ ضروری تھا کہ طاہر اور ہرثمہ کچھ دنوں کیلئے وہاں رہتے۔ تاکہ سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا۔ لیکن دفعتًا ان دونوں کی روانگی سے پھر وہاں اضطراب پیدا ہوگیا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ عام طور پر یہ بات مشہور ہوگئی کہ فضل نے خلیفہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ اس کو کسی سے یہاں تک کہ شاہی خاندان کے لوگوں سے بھی ملنے نہیں دیتا اور امور خلافت کو اپنی خواہش کے مطابق خود طے کرتا ہے۔ اس بنیاد پر اعیان بنی عباس اور رؤسا عراق فضل کے دشمن ہوگئے اور انھوں نے اس کے بھائی حسن

بن سہل کی بھی جو وہاں کا امیر ہو کر گیا تھا مخالفت کی۔

عَلَوِیَّہ

حضرت علی کی اولاد اس موقع کو دیکھ کر جابجا شورش پر آمادہ ہو گئی۔ پہلا فتنہ یہ اٹھا کہ کوفہ میں محمد بن ابراہیم بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب نے جو ابن طباطبا کے نام سے مشہور تھے ایک جماعت کے ساتھ اپنی امامت کا اعلان کیا۔ ان کی حمایت کے لیے ایک نامور شخص ابو السَّرایا بن منصور شیبانی جو ہرثمہ بن اعین کے ساتھیوں میں سے تھا کھڑا ہو گیا۔ محمد نے کوفہ کے عامل سلیمان بن ابی جعفر المنصور کو نکال کر وہاں اپنا تسلّط جمایا۔ حسن بن سہل نے زہیر بن مسیب کے ساتھ دس ہزار فوج بھیجی۔ ابو السّرایا نے اس کو شکست دیدی۔ اور اس کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا۔

اس فتح کے دوسرے دن یکم رجب ۱۹۹ھ کو ابن طباطبا اچانک انتقال کر گئے۔

ابو السَّرایا نے ان کی جگہ پر محمد بن محمد بن زید بن علی بن حسینؓ کو جو نہایت کم سن تھے امام بنا لیا۔ اور سارے کام خود کرنے لگا۔ حسن بن سہل نے عبدوس بن محمد بن خالد مرورودی کی ماتحتی میں پھر چار ہزار فوج بھیجی۔ ۱۷ رجب کو ابو السرایا سے مقابلہ ہوا۔ اس نے اس میں سے ایک آدمی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ اب اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اور علوی جابجا پھیل گئے۔ اور انھوں نے غلبہ حاصل کر لیا۔

ابو السَّرایا نے امامت کے استقلال کے سامان فراہم کرنے شروع کیے۔ یہانتک کہ اس نے کوفہ میں ٹکسال بھی قائم کر دی۔

حسن بن سہل نے جب دیکھا کہ اس کے جو سردار فوج لے کر جاتے ہیں وہ شکست کھا جاتے ہیں تو اُس نے مجبوراً ہرثمہ کے پاس جو خراسان کی طرف روانہ ہو چکا تھا قاصد بھیجا کہ واپس آؤ

بلا تمھارے یہ مہم سر نہیں ہو سکتی۔ وہ چونکہ فضل اور حسن دونوں بھائیوں سے رنجیدہ تھا۔ اور مامون کو اس حقیقت سے مطلع کرنے کے لیے جا رہا تھا کہ انھیں دونوں کا امور خلافت پر غلبہ ان شورشوں کا اصلی باعث ہی اس لیے واپسی سے انکار کیا۔ حسن نے دوبارہ قاصد بھیجا اور نہایت منت سماجت کی کہ جس طرح ہو سکے تم آؤ ورنہ بنی عباس کے ہاتھ سے خلافت نکل جانے کا خطرہ ہی۔ اب ہرثمہ پلٹا۔ پہلے فوج لے کر مدائن کی طرف گیا۔ وہاں سی ابوالسرایا کے عامل کو نکال کر قبضہ کیا۔ پھر کوفہ کی جانب بڑھا۔ قصر ابن ہبیرہ کے متصل ابوالسرایا نے شکست کھائی۔ اور علوئین کو لیے ہوئے قادسیہ کی طرف چلا گیا۔ ہرثمہ کوفہ میں داخل ہوا۔ وہاں کے لوگوں کو امان دی کسی سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ اور اُسی روز نکل کر ابوالسرایا کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ وہ قادسیہ چھوڑ کر سوس کی طرف بھاگا۔ فارس کا عامل اسوقت حسن بن علی باذغیسی تھا اس نے اس کا راستہ روکا۔ ابوالسرایا نے اس کے ساتھ جنگ کی لیکن زخمی ہو گیا۔ اور بھاگ کر جزیرہ کے ایک مقام راس لعین کی جانب چلا۔ راستہ میں پکڑا گیا۔ حسن بن سہل نے جو نہروان میں مقیم تھا اس کو قتل کر کے اس کے جسم کو بغداد میں بھیجدیا۔ جہاں وہ سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اس فتنہ کا کل زمانہ دس مہینے تھا۔

حسن بن سہل نے پھر بصرہ میں فوج بھیجی۔ یہاں ابوالسرایا کی طرف سے امام موسی کاظم کے بیٹے زید عامل تھے۔ انھوں نے اسقدر آدمیوں کو آگ میں جلا کر سزائیں دی تھیں کہ ان کا لقب زید النار مشہور ہو گیا تھا۔ وہ گرفتار ہوئے۔ لیکن ان کی جان بخشی کی گئی۔ اس فتنہ میں علویہ نے جسقدر ظلم و ستم کیے وہ ان کی نہایت بدترین یادگار ہی۔

فتنۂ مکہ

ابوالسرایا نے مکہ میں حسین بن حسن بن علی بن حسین کو والی بنا کر بھیجا تھا۔ خلافت

کی طرف سے یہاں کا والی داؤد بن عیسٰے بن موسٰے عباسی تھا۔ اس نے جب سنا کہ حسینؑ آرہے ہیں تو جنگ کو حرم کی عزت کے منافی سمجھا اور مکہ چھوڑ کر چلا گیا۔ حسین عرفہ کے دن مغرب کے قبل مکہ میں داخل ہوئے۔ ابو السرایا نے کعبہ کے لیے باریک ریشمی غلاف ان کے ہاتھ بھیجا تھا۔ اُنھوں نے مقام ابراہیم میں بیٹھکر حکم دیا کہ ظالم عباسیوں کا دیا ہوا لباس کعبہ کا اُتارو۔ اور ابوالسرایا داعی آل محمد کا متبرک غلاف اس پر چڑھاؤ۔ اُنھوں نے از راہ حرص کعبہ کے خزانہ پر قبضہ کیا۔ اور اس کے ستونوں میں بھی جسقدر چاندی یا سونا لگا یا گیا تھا اس کو نکلوالیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کی مالیت بہت حقیر ہی۔ اس کے لیے ان ستونوں کو خراب نہ کریں لیکن انھوں نے کچھ پروا نہ کی۔ یہانتک کہ چاہ زمزم کے گرد جو لوہے کے جنگلے اور ساج کے ستون لگے ہوئے تھے ان کو بھی نکلوا کر فروخت کر دیا۔

جس شخص کے بارے میں سنتے کہ اس کے پاس آل عباس کی کوئی امانت ہی اس کا سارا مال ضبط کر لیتے۔ اور سخت سزائیں دے کر جرمانے وصول کرتے۔ ایک گھر دار العذاب کے نام سے لوگوں کو سزا دینے کے لیے مخصوص کیا تھا۔ جس میں طرح طرح کے عذاب دیے جاتے تھے۔ اور سختیاں کر کر کے لوگوں سے ان کے مال چھینے جاتے تھے۔ اس خوف سے مکہ کے اکثر باشندے اپنے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔

علوئین کا یہ ظلم وستم مکہ میں برابر جاری رہا۔ جب انھوں نے ابوالسرایا کے قتل کی خبر سنی۔ اور ان کو معلوم ہوا کہ ان کے جتنے ہم خاندان تھے وہ سب کے سب بصرہ اور کوفہ سے نکال دیے گئے تو اُنھوں نے مجتمع ہو کر امام جعفر صادق کے بیٹے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کو امیر المومنین کا لقب دیا۔ لیکن وہ محض نام کے لیے امیر بنائے گئے تھے۔ اختیارات تمام ان کے بیٹے علی اور خود حسین کے ہاتھ میں تھے۔ ان دونوں نے مکہ والوں پر نہایت

سخت مظالم توڑے۔ اور مال سے گذر کران کی آبرو پر بھی دست درازی شروع کی۔

اہل حرم کو اس ظلم وستم سے بچانے کے لیے اسحاق بن موسےٰ بن عیسےٰ یمن سے فوج لے کر آیا۔ علوئین نے نکل کر اس کا مقابلہ کیا۔ کئی دن تک جنگ ہوتی رہی۔ اسحاق نے جب اپنے اندر غلبہ کی طاقت نہ دیکھی تو وہاں سے واپس چلا۔ راستہ میں اس کو ایک دستۂ فوج ملا کر جس کو ہرثمہ نے اہل مکہ کی حمایت کے لیے بھیجا تھا۔ اسحاق ان کے ساتھ پھر پلٹا۔ اب علوئین نے شکست کھائی۔ محمد بن جعفر صادق نے اپنی اور اپنے قبیلہ کی جان کی امان مانگی۔ ان کو تین دن کی مہلت دی گئی کہ وہ وہاں سے نکل جائیں۔

فتنہ یمن

یمن کے عامل اسحاق بن موسیٰ کے نکلتے ہی امام موسیٰ کاظم کے بیٹے ابراہیم نے وہاں اپنا تسلط جما لیا۔ اُنھوں نے اسقدر آدمیوں کو قتل کیا کہ ان کا لقب قصاب پڑ گیا۔ سنہ ۲۰۲ھ میں اُنھوں نے اپنی طرف سے بنی عقیل میں سے ایک شخص کو امیر الحج مقرر کیا اور ایک فوج دیکر اس کو مکہ کی طرف بھیجا۔

ادھر خلافت کی طرف سے اس سال ابواسحٰق بن رشید امیر الحج مقرر ہوا تھا۔ وہ فوج اور چند کارآزمودہ سپہ سالاروں کو لے کر مکہ پہنچا۔ عقیلی کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ راستہ ہی میں مقام بستان بنی عامر میں ٹھہر گیا۔ اور مکہ کی طرف بڑھنے کی جرأت نہیں کی۔ اس طرف سے زائرین کا ایک قافلہ گذر رہا تھا جن کے ساتھ غلاف کعبہ تھا۔ عقیلی اور اس کے ساتھیوں نے اس کو لوٹ لیا۔ اور غلاف کعبہ بھی چھین لیا۔ اس قافلے کے کچھ لوگ مکہ پہنچے۔ ابو اسحاق نے فوراً بستان بنی عامر کی طرف سپاہ روانہ کی۔ عقیلی اور اس کے ساتھی گھر گئے۔ کچھ بھاگے۔ بقیہ گرفتار ہوئے۔ حاجیوں کا سارا مال اور غلاف

کعبہ ان سے واپس لیا گیا۔ اور مکہ میں لیجا کر ہر ایک کو ان میں سے دس دس کوڑوں کی سزا دی گئی۔ اور پھر وہ چھوڑ دیے گئے۔ وہاں سے حاجیوں سے بھیک مانگتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس چلے۔ لیکن ان میں سے اکثر بھوک اور تکلیف سے راستہ ہی میں ہلاک ہو گئے۔

علوئین کا یہ فتنہ ہر جگہ ختم ہو گیا۔ اور یہ سب اس تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار کی کوشش سے ہوا جس کا نام ہرثمہ تھا۔

وہ ان تمام مہمات سے فارغ ہو کر پھر خراسان کی طرف روانہ ہوا تاکہ مرو میں پہنچکر خلیفہ کو اصل حقیقت سے آگاہ کرے۔ فضل بن سہل نے مامون کو پہلے ہی سے اس کی طرف سے بدگمان کرنا شروع کیا۔ اور اس کو یقین دلا دیا کہ عراق کی یہ تمام شورشیں خود ہرثمہ کے اشارہ سے ہوئی ہیں۔ ابوالسرایا اس کا خاص آدمی تھا۔

مامون نے ہرثمہ کو لکھا کہ میں تم کو شام اور حجاز کا والی مقرر کرتا ہوں۔ تم راستہ سے واپس جاؤ۔ میرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہرثمہ نے یہ چاہا کہ میں پہلے اس کو پوری کیفیت سے آگاہ کر دوں۔ اس کو یقین تھا کہ خلیفہ میری بات سنے گا۔ اس لیے باوجود اس حکم کے بھی وہ سیدھا مرو میں پہنچا۔ اور اپنے داخلہ کے وقت طبل اور نقارہ بجوایا تاکہ خلیفہ کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے اور فضل اس کو چھپا نہ سکے۔

ہرثمہ مامون کے دربار میں گیا۔ اور شورش کے اسباب بیان کیے۔ لیکن فضل نے اس کو اس کی طرف سے اسقدر بھڑکا رکھا تھا کہ اس نے مطلق اس کی باتوں پر توجہ نہ کی۔ بلکہ عتاب نازل کیا۔ پٹوایا اور قید کر دیا۔ اور دربار سے سپاہی اس کو کھینچتے ہوئے محبس میں لے گئے۔ فضل نے قید خانہ کے ملازموں کے توسط سے اس کو قتل کرا دیا۔ اور مشہور کیا

کہ وہ مرگیا۔

بغداد میں جب یہ خبر پہونچی تو وہاں کی فوج نے بغاوت کر دی۔ حسن بن سہل کے عمال کو نکال دیا اور اس کے احکام کی مخالفت کی۔ حسن کے پاس نہ اسقدر طاقت تھی نہ عقل کہ وہ اس کا انسداد کر سکتا۔

اہل بغداد نے مجتمع ہو کر منصور بن مہدی سے درخواست کی کہ وہ اپنی خلافت کی بیعت لے۔ اس نے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر تم خلیفہ ہونا منظور نہیں کرتے تو مامون ہی خلیفہ رہے۔ اور خطبوں میں اسی کا نام لیا جائے مگر ہماری امارت تم اپنے ہاتھ میں لو۔ حسن بن سہل مجوسی بن مجوسی کی حکومت ہم کو ہرگز گوارا نہیں ہے۔ اسپر وہ راضی ہو گیا۔ لیکن چونکہ وہاں کوئی بڑی طاقت موجود نہیں تھی جو مفسدوں کو دبا سکتی اس لیے لٹیروں اور اوباشوں نے فتنے برپا کرنے شروع کیے۔ چوریاں کرنے اور مکانوں اور دکانوں کو لوٹنے لگے۔ شاہراہ عام پر سے علانیہ لڑکوں اور عورتوں کو پکڑ لیجاتے تھے۔ دیہاتوں میں پہنچکر وہاں کے باشندوں سے جبراً رقمیں وصول کرتے تھے۔

یہ دیکھ کر ایک شخص خالد دریوش نامی اس فتنہ کو مٹانے کے لیے آمادہ ہوا۔ اس نے امن پسند لوگوں کی جماعت کو ساتھ لے کر مفسدوں اور اوباشوں کو ان حرکات سے روکنے کی کوشش کی۔ انھوں نے مقابلہ کیا۔ دریوش نے ان کو شکست دی۔ وہ جس کو گرفتار کرتا تھا امیر کے پاس لیجا کر سزائیں دلواتا تھا۔

ایک دوسرا شخص سہل بن سلامہ انصاری بھی اسی طرح مستعد ہو گیا۔ اس نے بھی مفسدوں کو دبایا۔ لیکن اس کا مقصد دریوش سے مختلف تھا۔ دریوش امن قائم کرنے میں حکومت کی امداد کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ اور ابن سلامہ لوگوں سے خود اپنی

حمایت کی بیعت لیتا تھا۔ اور کسی کی امارت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔

ادھر دار الخلافہ میں یہ سب واقعات ہو رہے تھے ادھر مامون مرو میں اطمینان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ مرکز خلافت کی کیا کیفیت ہے۔ کیونکہ فضل اس قسم کی اطلاعیں اس کے پاس مطلق نہیں پہنچنے دیتا تھا۔

اسی درمیان میں مامون سے ایک ایسا فعل سرزد ہوا جس سے بغداد میں اور بھی ہیجان پیدا ہو گیا۔ یعنی اس نے شیعۂ اثنا عشریہ کے امام ہشتم علی رضا کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی اور ان کو اپنا ولی عہد بنا کر تمام صوبوں میں حکم بھیجدیا کہ سیاہ عباسی شعار کے بجائے سبز علوی شعار اختیار کیا جائے۔

عباسی خاندان کے لوگوں نے مجتمع ہو کر کہا کہ فضل بن سہل یہ چاہتا ہے کہ خلافت کو بنی عباس سے آل علی میں منتقل کر دے۔ ہم ہرگز اس حکم کو نہیں تسلیم کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے متفقہ طور پر یکم محرم ۲۰۲ھ کو مامون کی بیعت خلافت کو فسخ کر کے اس کے چچا ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنا لیا۔ اس نے حسن بن سہل کے مقابلہ کے لیے فوج تیار کی۔ اور جابجا اپنی طرف سے عمال مقرر کر کے بھیجے۔

مرو میں مامون کو خود امام علی رضا نے اس حال سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ فضل نے تو مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ ابراہیم کو اہل بغداد نے اپنا امیر بنا لیا ہے۔ انھوں نے کہا ہرگز نہیں بلکہ خلیفہ بنایا ہے۔ اور اس میں اور حسن بن سہل میں لڑائی جاری رہے۔ فضل نے جو کچھ کہا وہ غلط ہے۔ پھر انھوں نے بغداد کی کل کیفیت مفصل طور پر اس کے سامنے بیان کی۔ اور صاف صاف کہا کہ آپ سے عام مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ فضل اور حسن دونوں آپ کے اور امور خلافت کے اوپر حاوی ہو گئے ہیں۔ اور لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔ اگر آپ ان باتوں کی

تصدیق کرنی چاہیں تو فلاں فلاں سرداران فوج سے جو یہاں موجود ہیں کر سکتے ہیں۔ مامون نے ان لوگوں کو بلایا۔ اور جان کی امان دے کر اصل حقیقت دریافت کی۔ ان سب نے بلا کم و کاست وہی بیان کیا جو امام علی رضا نے کہا تھا۔ اور کہا کہ ہرثمہ کے معاملہ کو بھی فضل نے آپ کو غلط سمجھایا۔ وہ خیر خواہی کی غرض سے آپ کو آگاہ کرنے کے لیے آیا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ فضل نے مخفی طور پر اس کو قید خانہ میں قتل کرا دیا۔ طاہر بن حسین کو بھی اسی نے بد دل کیا کہ اس کی عظیم الشان کوششوں اور کارناموں کے بعد اس کو بغداد سے نکال کر رقہ میں بھیجدیا جہاں وہ بیکار ایک گوشہ میں پڑا ہوا ہے۔ اگر وہ عراق میں ہوتا تو کسی قسم کی شورش نہ اٹھتی۔ اب مناسب یہ ہے کہ آپ خود اس طرف چلیں تاکہ بنی ہاشم اور بنی عباس نیز امرا فوج کو آپ کو دیکھ کر اطمینان ہو جائے اور وہ مطیع ہو جائیں۔ یہ سنکر مامون کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے بغداد کی روانگی حکم دیا۔

یہ امرار باوجود مامون کی امان کے بھی فضل کی سزا سے نہیں بچ سکے۔ اس نے ان میں سے کسی کو قید کیا اور کسیکو نکال دیا۔ امام علی رضا نے مامون کو مطلع کیا۔ اس نے کہا کہ میں عنقریب اس کا بندوبست کرتا ہوں۔

شاہی فوج مرو سے سرخس میں پہونچی۔ وہاں ۲ شعبان ۲۰۲ھ کو فضل بن سہل حمام میں نہا رہا تھا کہ یکایک خلیفہ کے چار غادموں نے پہونچکر اس کو قتل کر ڈالا۔ وہ پکڑ کر دربار میں لائے گئے۔ جب اُن سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ خود خلیفہ نے ہم کو قتل کا حکم دیا تھا۔

قرائن سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں ہے کہ یہ قتل مامون کے اشارہ سے ہوا تھا۔ کیونکہ اس نے فضل کے مستبدانہ رویہ کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ اور اس کو یقین ہو گیا تھا

کہ جب تک یہ رہے گا اہل بغداد میری اطاعت نہیں کریں گے۔ لیکن باوجود اس کے عجمیوں کے تالیف قلوب کے خیال سے قصاص میں ان چاروں غلاموں کے سر کٹوا کر تعزیت نامہ کے ساتھ حسن بن سہل کے پاس بھیجدیئے۔ اور وزارت کا منصب اس کو عطا کیا۔ پھر اس کی بیٹی بوران کے ساتھ اپنی شادی کی۔

عید الفطر کی نماز پڑھ کر سرخس سے روانہ ہوا۔ اس کی آمد اور فضل کے مقتول ہو جانے کی خبر سے بغداد میں ابراہیم کی خلافت کمزور ہونے لگی۔ اور امرار فوج نے اس کا ساتھ چھوڑنا شروع کیا۔ کیونکہ جس بنیاد پر اُنھوں نے مامون کو خلافت سے معزول کیا تھا وہ اب منہدم ہو چکی تھی۔

مامون جب طوس میں پہونچا تو وہاں ایک دوسرا حادثہ پیش آیا۔ یعنی امام علی رضا یکایک انتقال کر گئے۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ مامون کے مشورہ سے ان کو زہر دیدیا گیا۔ لیکن یہ بعید معلوم ہوتا ہی۔ اس لیے کہ وہ ان کے ساتھ بہت محبت رکھتا تھا۔ اور اس نے دامادی کے ساتھ ولیعہدی کے لیے بھی ان کو منتخب کیا تھا۔ اگر واقعی وہ زہر ہی سے مرے تو یہ ممکن ہی کہ درباریوں میں سے بنی عباس کے کسی خیر خواہ نے ایسی جرات کی ہو تاکہ خلافت کے آل علی میں منتقل ہو جانے کی وجہ سے ان میں جو جوش پیدا ہو گیا ہی وہ فرد ہو جائے۔

طوس سے روانہ ہو کر رے میں پہونچا۔ اور وہاں کے باشندوں کو خوش کرنیکے لیے بیس لاکھ درہم خراج کی معافی کا فرمان لکھا۔ اب وہ جسقدر بغداد سے قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر ابراہیم کے ساتھی الگ ہوتے جاتے تھے۔ یہانتک کہ اس کی فوج کے ایک امیر نے حسن بن سہل کے ایک سپہ سالار کو لکھا کہ تم بغداد میں آؤ ہم اس کو تمہارے حوالہ

کردیں۔ وہ فوراً پہونچا۔ فوج نے بغداد کو اس کے سپرد کر کے خلافت سے ابراہیم کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷ ذی حجہ ۲۰۳ھ کا ہے۔

ابراہیم نے جب یہ دیکھا تو اسی رات کو روپوش ہو گیا۔ اس کی عارضی خلافت کل ایک سال گیارہ مہینے اور بارہ دن رہی۔

نہروان میں بغداد کے امرار۔ رؤسا اور تمام بنی عباس مامون کے استقبال کے لیے جمع ہوئے۔ مامون ان سے نہایت خوش ہو کر ملا۔ طاہر بن حسین بھی اس کے حکم کے مطابق وہاں آیا تھا۔ مامون نے اس کو جزیرہ کی ولایت اور بغداد کی کوتوالی عطا کی وہاں سے بغداد کو چلا۔ ۱۶ صفر ۲۰۴ھ میں وہاں داخلہ ہوا۔ چونکہ اسوقت وہ سبز علوی شعار میں تھا اس لیے امرار فوج اور بنی عباس نے بھی مجبوراً اسی رنگ کا لباس اختیار کیا۔ لیکن ایک ہفتہ کے بعد اعیان خلافت نے اس سے کہا کہ اپنے آبائی سیاہ شعار کو ترک کر کے آپ نے علویہ کا سبز شعار کیوں اختیار کیا۔ مامون نے جب دیکھا کہ سب لوگوں نے اس کی اطاعت کر لی لیکن اس کے لباس کو پسند نہیں کرتے تو اس نے سب کے سامنے سیاہ لباس منگا کر خود پہنا اور ایک خلعت طاہر کو عطا کیا۔ اب لوگ اس سے خوش ہو گئے۔ سب نے سبز لباس اتار دیے۔ اور حسب معمول عباسی شعار پہنے۔

اسوقت سے مامون کی خلافت کا اصلی دور شروع ہوا۔

وزارت

مامون کا پہلا وزیر **فضل** تھا۔ اس کا باپ **سہل** مجوسی تھا جو ہارون کے زمانہ میں مسلمان ہوا۔ فضل نے علم و ادب اور خاص کر فن نجوم میں دستگاہ بہم پہونچائی۔ جعفر برمکی کی سفارش سے ہارون نے اس کو شاہزادہ مامون کا کاتب مقرر کر دیا۔ اسی کے

حسن تدبیر سے مامون کو امین پر غلبہ حاصل ہوا اور خلافت ملی۔ مامون نے اس کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ اور تمام ملکی اور جنگی امور اس کے سپرد کر دیے۔ اس کی تلوار کے ایکطرف ریاست تدبیر اور دوسری طرف ریاست حرب کندہ کرایا۔ اور اس کو ذوالریاستین کا خطاب دیکر تیس لاکھ درہم سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کی۔

لیکن وہ اسقدر مامون پر حاوی ہو گیا کہ اس کے استبداد سے تنگ آکر آخر مامون نے سرخس میں پہونچکر حمام میں اس کو قتل کرا دیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے نجوم کی مدد سے اپنا جو زائچہ بنایا تھا اس میں لکھ رکھا تھا کہ اس کی موت آگ اور پانی کے درمیان ہوگی۔

احمد بن ابی خالد

ذوالریاستین کے بعد بنی عامر کا ایک شامی غلام احمد بن ابی خالد جو ادب اور کتابت میں بہت نامور تھا وزیر ہوا۔ یہ نہایت نیک مخلص اور دانشمند تھا۔ جسقدر خلیفہ کا خیر خواہ تھا اسی قدر رعایا کا۔ تاریخ اس کا صرف ایک عیب دکھاتی ہے وہ یہ کہ کھانے کا سخت حریص تھا۔ مامون نے اس خیال سے کہ یہ کھانے کی طرف سے مستغنی رہے اور کسی کے تحفہ کی آرزو نہ رکھے اس کے باورچی خانہ کے لیے روزانہ ایک ہزار درہم مقرر کر دیا تھا لیکن پھر بھی وہ لوگوں سے کھانے پینے کی چیزوں اور تحفوں کا خواہشمند رہتا تھا۔ ۲۱۱ھ میں اس نے وفات پائی۔ مامون خود اس کے جنازہ میں شریک ہوا۔ اس کے لیے دعا کی۔ اور دفن کے بعد اسکی بہت تعریف فرمائی۔

ابن یوسف

ابن ابی خالد کے بعد احمد بن یوسف کو وزارت کا منصب ملا۔ یہ شخص عمرو بن مسعدہ میر منشی کے دفتر میں کاتب تھا۔ خط نہایت پاکیزہ لکھتا تھا۔ مامون کو اس کے اوپر بڑا

اعتماد تھا۔ اس لیے اس کے زمانہ میں اس کو عروج ملا۔

مامون کے ایک درباری **محمد بن خلیل بن ہشام** کو اس کے رتبہ پر رشک آیا۔ وہ اس کوشش میں لگا کہ کسی صورت سے اس کو اس کے منصب سے گرادے۔ چنانچہ اسنے نہایت کمینہ طریقہ سے مامون کے مزاج کو اس سے منحرف کرادیا۔

صورت یہ ہوئی کہ احمد بن یوسف روزانہ صبح سویرے مامون کے پاس ضروری امور میں مشورہ کے لیے آتا تھا۔ محمد بن خلیل نے مامون کے ایک خادم سے مخفی طور پر یہ کہہ رکھا تھا کہ خلیفہ اگر احمد کو کوئی چیز عطا کرے تو تم مجھے مطلع کر دینا۔ احمد حسب معمول ایک روز مامون کے پاس گیا۔ جاڑے کے دن تھے۔ خلیفہ کے پلنگ کے نیچے عنبر کا بخور جل رہا تھا۔ احمد کی خاطر سے اُس نے اُسی انگیٹھی کو اُٹھوا کر اس کے سامنے رکھوادیا۔ یہ بات اس خادم نے محمد بن خلیل کو سنائی۔ وہ شام کو دربار میں آیا۔ مامون اسوقت تنہا تھا۔ اسنے محمد سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ اس نے کہا کہ میں اسوقت کشتی میں سوار چلا آرہا تھا۔ اس میں ایک ملاح دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ لوگ امیرالمومنین کی سخاوت کی مدح کرتے ہیں لیکن آج صبح کو وزیر ابن یوسف دربار سے واپس ہوتے ہوئے اپنے خادم سے یہ کہہ رہے تھے کہ خلیفہ نہایت دنی الطبع ہے۔ اس کے سامنے بخور جل رہا تھا۔ جب میں پہونچا تو بجائے اس کے کہ میرے لیے دوسری انگیٹھی منگاتا اسی کو میری طرف بڑھادیا۔

مامون نے یہ سنکر یقین کرلیا کہ بے شک ابن یوسف نے کہا ہوگا۔ کیونکہ اسوقت اس کے سوا کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر وہ اس سے برگشتہ خاطر ہوگیا۔ یہانتک کہ معزول کردیا۔

ثابت بن یحییٰ

اس کے بعد ابو عباد ثابت بن یحییٰ بن یسار رازی کو قلمدان وزارت عطا فرمایا۔ یہ کتابت اور ادب میں ماہر لیکن حساب سے ناآشنا تھا۔ مزاج میں تندی اور سختی تھی۔ شدت غضب میں کبھی کبھی کاتبوں کو گالیاں دیدیتا تھا۔ اور ان کے منہ پر دوات کھینچ مارتا تھا۔ اس کا رعب کم لیکن خوف زیادہ تھا۔

مامون سے ایک بار کسی نے کہا کہ دعبل شاعر نے آپ کی ہجو لکھی ہے۔ اس نے کہا کہ جس نے ابو عباد کی ہجو کہہ ڈالی اس کو میری ہجو میں کیا باک ہے۔

مامون کا آخری وزیر ابو عبداللہ محمد بن یزداد بن سوید تھا یہ خراسان کے ایک مجوسی خاندان کا تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔

مامون کے زمانہ میں وزرار کا نفوذ اور اقتدار زیادہ نہیں تھا۔ کیونکہ برامکہ اور نیز فضل بن سہل کے استبداد کے نتائج دیکھکر وہ امور خلافت کو خود انجام دیتا تھا۔ اور وزیروں سے صرف مشورہ لیتا تھا۔

علویہ

مامون نے جعفر برمکی کی اتالیقی میں تربیت پائی تھی جو شیعہ تھا۔ پھر اس کا پہلا وزیر فضل بن سہل بھی جس کی کوشش سے اس کو خلافت ملی اسی جماعت کا تھا۔ ان لوگوں کے اثر سے خود اس کا رجحان شیعیت کی طرف ہو گیا تھا۔ اور وہ خلفاء راشدین میں سے حضرت علی کے حق خلافت کو مرجح سمجھتا تھا۔

فضل نے اپنی وزارت کے زمانہ میں یہ چاہا کہ مامون پر اثر ڈال کر خلافت کو بلا خونریزی کے آسانی کے ساتھ آل علی میں جن کی امامت کا وہ قائل تھا منتقل کر دے۔ چنانچہ اسی کے

مشورہ سے مامون نے اپنی بیٹی امام علی رضا کے ساتھ بیاہ دی۔ اور اپنے بعد اُن کی ولی عہدی کا فرمان لکھدیا۔ جس کی وجہ سے وہ حادثات ظہور پذیر ہوئے جو بیان کیے گئے۔

بغداد میں آنے کے بعد بھی اس کا برتاؤ علویہ کے ساتھ نرم اور اس کے اعتقاد کے مطابق رہا۔ اور گو ان لوگوں نے بہت کچھ شورشیں برپا کی تھیں اور ہزاروں خاندانوں کو برباد اور غارت کر ڈالا تھا پھر بھی اس نے ان کے ساتھ رحم واحسان کا سلوک کیا۔ مگر باوجود ان مراحم کے بھی وہ اسکی مخالفت پر کمر بستہ رہے۔ چنانچہ ۲۰۷ھ میں عبد الرحمن بن احمد بن عبد اللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب نے یمن میں ایک جماعت کے ساتھ بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔

مامون نے اپنے ایک امیر فوج دینار بن عبد اللہ کو ایک لشکر دے کر اسطرف بھیجا۔ اور عبد الرحمن کے لیے امان نامہ بھی لکھ کر اس کو دیا۔ دینار نے وہاں پہونچکر پہلے اس امان نامہ کو عبد الرحمن کے پاس بھیجدیا۔ اُنھوں نے مقابلہ کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھی اس لیے اس کے پاس حاضر ہوگئے۔ وہ ان کو ساتھ لے کر دربار خلافت میں آیا۔

مامون نے اس کے بعد سے حکم دیدیا کہ آل ابی طالب میں سے کوئی شخص اب میرے دربار میں نہ آنے پائے۔ اور یہ سب لوگ سبز لباس ترک کر کے عباسی شعار کے مطابق سیاہ لباس پہنا کریں۔ پھر بھی اس نے مرتے وقت اپنے بھائی معتصم کو جو وصیت کی اس میں لکھوایا کہ آلِ علی کا خیال رکھنا۔ ان کے ساتھ سلوک کرنا۔ اور جو لوگ اُن میں سے خطاکار ہوں اُن کے قصور کو بخش دینا۔

دولتِ زیادیہ

یمن میں شیعیت کے رسوخ کی وجہ سے حکومتِ عباسی کا نفوذ کمزور ہوگیا تھا اور

آئے دن ایک نہ ایک فتنہ اُٹھا کرتا تھا۔ اس لیے مامون نے چاہا کہ کسی مدبر شخص کو وہاں کا والی مقرر کرے جو فتنہ اور فساد کو دبا دے۔ حسن بن سہل کے مشورہ سے زیاد بن ابی سفیان کی اولاد میں سے ایک شخص محمد بن ابراہیم زیادی کو یمن کی ولایت سپرد کی۔ اس نے جا کر وہاں زبید کی داغ بیل ڈالی اور اس شہر کو آباد کر کے اپنا مستقر بنایا۔ اور اپنی قابلیت سے سارے صوبہ پر حاوی ہو گیا۔ خلیفہ کو وہ صرف ہدیے اور خراج بھیجتا تھا اور خطبوں میں اس کا نام لیتا تھا باقی تمام امور میں آزاد تھا۔ اس نے ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد یمن کی حکومت بالاستقلال اس کی اولاد اور پھر اس کے موالی میں ۴۳۳ھ تک چلی آئی۔

دولت اغالبہ

ہارون الرشید نے اپنی خلافت اور مراقش کی ادریسی سلطنت کے درمیان ایک سرحدی ریاست قائم کر کے ۱۸۴ھ میں ابراہیم بن اغلب کو وہاں کا والی بنا کر بھیجا تھا کیونکہ تونس اور الجزائر میں سخت شورشیں برپا تھیں۔ ابراہیم نے ان کو فرو کرنے کے بعد صوبۂ افریقہ کو چالیس ہزار دینار ٹھیکہ پر لے کر وہاں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی۔ صرف خطبہ بنی عباس کا رکھا۔ یہ دولت ۲۹۶ھ تک اس کے خاندان میں رہی۔ مامون کے زمانہ ۱۹۶ھ سے عبداللہ بن ابراہیم حکمراں تھا۔ اس کے بعد ۲۰۱ھ سے ۲۲۳ھ تک اس کا بھائی زیادۃ اللہ بن ابراہیم رہا۔ اسی نے رومیوں کے ہاتھ سے جزیرۂ صقلیہ کو فتح کیا۔

اندلس اور مراقش کے نکل جانے کے بعد اب یہ اور دو جدید ولایتیں یمن اور افریقہ کی جو علویہ کے خوف کی وجہ سے خلافت کی حفاظت کے لیے قائم کی گئی تھیں خود مختار ہو گئیں۔

ابراہیم بن مہدی

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ مامون جب مرو میں تھا تو اہل بغداد نے ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنالیا تھا لیکن جسوقت وہ مشرق سے بغداد کی طرف آیا اسوقت فوج نے ابراہیم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس لیے وہ خوف کی وجہ سے مخفی اور مستور ہوگیا اور بغداد ہی میں ایک محلہ سے دوسرے محلہ اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں چھپتا پھرتا تھا۔

سنہ ۲۱۰ھ میں مامون کو یہ خبر ملی کہ **ابن عائشہ** اور **مالک** وغیرہ چند فوجی امرار ابراہیم کے حامی ہیں اور اس کے ساتھ سازش کرکے اس کو بغاوت کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ اُس نے ان لوگوں کو گرفتار کیا۔ سختیوں کے بعد انھوں نے اپنے جرم کا اقبال کیا۔ اور چند دیگر امراء کے نام بتائے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ لیکن مامون نے اس خیال سے کہ ممکن ہی کہ یہ لوگ بے گناہوں کو نقصان پہونچانا چاہتے ہوں ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا۔ اور صرف چار شخصوں کو جو اس سازش کے سرغنے تھے سزا دی۔

ابن عائشہ کو تین دن دہوپ میں کھڑا رکھا۔ پھر کوڑوں سے پٹوایا۔ اس کے بعد سولی پر چڑھا دیا۔ عباسی خاندان میں سے یہ پہلا شخص ہی جسکو سولی دی گئی۔

۱۳ ربیع الاول سنہ ۲۱۰ھ کو ابراہیم بن مہدی زنانہ لباس پہنے ہوئے دو کنیزوں کے ساتھ کسی گلی سے گذر رہا تھا۔ ایک حبشی دربان نے اس کو پہچان کر پکڑ لیا اور مامون کے دربار میں لے گیا۔

مامون اس کی طرف سے بہت برہم تھا۔ اس نے درباریوں سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے... سب نے قتل کا مشورہ دیا۔ لیکن وزیر احمد بن ابی خالد نے جان بخشی کی سفارش کی۔ ابراہیم نے اپنے جرم کا اعتراف کرکے ندامت کا اظہار کیا۔ اور ایک قصیدہ سنایا جس سے مامون کا

دل پسیج گیا۔ اور اُس نے جان بخشی کی۔

زط کی بغاوت

زط جت یا جاٹ کا معرب ہے۔ اصل میں یہ مشرقی ہندوؤں کی ایک جماعت تھی جو نور کے نام سے مشہور تھی۔ اور مسلمان ہونے کے بعد خلیج فارس کے سواحل پر آکر سکونت گزیں ہوگئی تھی۔ امین اور مامون کی جنگ کے زمانہ میں اس نے بصرہ کے راستہ پر قبضہ کرلیا۔ اور مجتمع ہوکر لوٹ مار شروع کردی۔

بغداد میں آنے کے بعد مامون نے ۲۰۵ھ میں عیسٰی بن یزید جلودی کو ایک فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ وہ جب وہاں پہونچا تو زط متفرق ہوکر جابجا بھاگ گئے۔ اس لیے وہ کچھ نہ کرسکا۔ مامون نے پھر داؤد بن ماسجور کے ساتھ ایک دستۂ فوج روانہ کیا۔ لیکن یہ قوم اس کے قابو میں نہیں آسکی۔ اور برابر مسافروں اور قافلوں کو لوٹتی رہی۔

مامون کے انتقال کے بعد معتصم نے عجیف بن عنبسہ کو فوج کے ساتھ بھیجا۔ اس نے آکر ان کو چاروں طرف سے گھیرا۔ ایک مقابلہ میں تین سو زط مقتول اور پانسو گرفتار ہوئے۔ اس نے ان سب کے سر کاٹکر معتصم کے دربار میں بھجدیے۔

اس کے بعد ان کے محاصرہ میں اور بھی سختی کی۔ جن پہاڑوں میں وہ رہتے تھے ان کے دروں پر قبضہ کیا۔ اور جن چشموں سے وہ پانی پیتے تھے ان کو بند کرادیا۔ آخر ان کے سردار محمد بن عثمان اور سملق نے تنگ آکر ذی حجہ ۲۱۹ھ میں امان طلب کی۔ جو منظور کی گئی۔ انکی کل تعداد ۲۷ ہزار تھی۔ عجیف ان کو کشتیوں میں بھر کر بغداد میں لایا۔ وہاں معتصم کی نظر سے گذار کر وہ خانقین کی طرف بھیجے گئے۔ اور رومی سرحد کے متصل مقام عین زربیہ میں آباد ہونے کے لیے ان کو زمین دی گئی۔ متوکل کے زمانہ میں ۲۴۱ھ میں جب رومیوں نے حملہ کیا تو

وہ ان سب کو مع عورتوں اور بچوں کے گرفتار کر کے لے گئے۔

نصر بن شبث

بنی عقیل میں سے نصر بن شبث ایک ممتاز رئیس تھا۔ جو حلب کے شمال میں مقام کیسوم میں سکونت گزیں ہو گیا تھا۔ خلیفہ امین سے اس سے بہت دوستی تھی اس لیے وہ اس کا خیر خواہ تھا۔ ۱۹۸ھ میں جب امین مقتول ہو گیا۔ اور نصر نے دیکھا کہ عربی عنصر مغلوب ہوا اور عجمی خلافت پر حاوی ہو گئے تو وہ ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر بغاوت کے لیے اٹھا۔ اور قرب وجوار کے مقامات پر قبضہ کر کے دریائے فرات کو عبور کر کے آگے بڑھا۔ اس کی قوت کو دیکھ کر بہت کم قبائل عرب اس کے ساتھ مل گئے۔

طاہر بن حسین جس وقت بغداد کی مہم سے فارغ ہو چکا اس وقت فضل بن سہل وزیر نے اس کی جگہ پر اپنے بھائی حسن کو مقرر کر کے اس کو نصر کے مقابلہ کا حکم دیا۔ طاہر گیا لیکن شکست کھا کر رقہ کی طرف چلا آیا۔ اور اسی کی مدافعت اور محافظت پر قانع رہا۔ دوبارہ مقابلہ کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ اس نے اپنے پہلے کارناموں کا کوئی اچھا صلہ نہیں پایا اور عظیم الشان فتوحات کے بعد ان کے ثمرہ سے محروم کر کے پھر لڑائی پر بھیج دیا گیا اس لیے اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اور وہ ہمت اور حوصلہ کے ساتھ نہیں لڑ سکا۔

طاہر کو شکست دینے کے بعد نصر کی شوکت بہت بڑھ گئی۔ اس نے جزیرہ میں حران کا محاصرہ کیا۔ وہاں علویہ کی بھی ایک جماعت جا کر اس کے ساتھ شریک ہو گئی۔ اور اس سے کہا کہ ہم لوگ اگر کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو خلیفہ بنا لیں تو ہماری جماعت اور طاقت بہت بڑھ جائے۔ اس نے پوچھا کہ کس کے ہات پر؟ ان لوگوں نے کہا کسی علوی کے۔ بولا کہ بنی العباس سے آج اگر میں کسی کا ہات تھام لوں تو کل ہی وہ مجھ سے کہنے لگیگا کہ میں تیرا خالق اور

رازق ہوں۔

ان لوگوں نے کہا کہ پھر کسی کو بنی امیہ میں سے تلاش کرو۔ اس نے کہا کہ اُن پر ادبار آچکا۔ میں بنی عباس کی خلافت کا دشمن نہیں ہوں لیکن ان سے صرف اس وجہ سے لڑ رہا ہوں کہ انھوں نے عجم کو عرب پر ترجیح دے رکھی ہے۔ یہ مجھکو گوارا نہیں۔

سنہ ۲۰۶ھ میں مامون نے طاہر کو خراسان کی ولایت کا فرمان دیکر روانہ کیا۔ اور اس کے بیٹے عبداللہ کو جو رقہ میں اس کا قائم مقام تھا نصر کے مقابلہ کا حکم دیا۔

طاہر نے اسی موقع پر اپنے بیٹے عبداللہ کے نام اپنا وہ مشہور اور معروف خط لکھا تھا جو اہل ادب میں آج تک مقبول ہے۔ اس میں اس نے آداب سیاسیہ اور مکارم اخلاق وغیرہ کی نہایت منتخب نصیحتیں مندرج کیں۔ مامون نے اس خط کو اسقدر پسند کیا کہ اطراف ممالک میں تمام امراء اور عمال کے نام اسکی نقلیں بھجوائیں۔ اور فرمایا کہ طاہر کا یہ مکتوب تدبیر، رائے، دانائی اور ملک داری کے لیے بہترین دستور العمل ہے جس سے کوئی فرمانروا مستغنی نہیں ہو سکتا۔

عبداللہ نے نصر کے مقابلہ میں بہت جانفشانی کی۔ اور آخر کار اس کو محصور کر لیا۔ اسی زمانہ میں مامون نے جعفر بن محمد عامر کو ایک خط دے کر نصر کے پاس بھیجا کہ وہ لڑائی سے باز آجائے اور مصالحت کر لے۔ اس نے صلح کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن شرائط سخت کیے۔ منجملہ ان کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ مامون کی بساط پر قدم نہیں رکھے گا۔ مامون نے کہا کہ خواہ مجھے اس کی جنگ کے لیے اپنا کرتہ تک بیچ دینا پڑے لیکن میں اسکی یہ شرط ہرگز نہیں منظور کر سکتا کہ وہ میرے دربار میں حاضر نہیں ہوگا۔

نصر نے جب اس نامنظوری کا حال سنا تو اپنے ساتھی عربوں کو مخاطب کر کے کہا

کہ جو شخص قوم زط کے چار سو مینڈکوں پر غالب نہیں آسکا گیا وہ عربوں کو مغلوب کر سکتا ہے۔ پھر عبداللہ کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ متعدد لڑائیوں کے بعد جو سلسلہ دار پانچ سال تک ہوتی رہیں آخر میں مجبور ہو کر اس نے صلح کی۔ اور صفر ۲۱۲ھ میں دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ مامون نے اس کو مدینہ ابی جعفر میں نظر بند کر دیا۔

بابک خرمی

ابتدائی زمانہ سے ایران کی سرزمین میں عجیب عجیب مذاہب پیدا ہوتے آئے ہیں اسلام سے پہلے **قباد** کے عہد میں **مزدک** نے وہاں اپنا اباحی مذہب جاری کیا تھا۔ جس میں ہر شخص ہر شے میں برابر کا شریک مانا گیا تھا۔ یہاں تک کہ عورتوں پر بھی کسی کا خاص حق مسلم نہ تھا۔ اس کے پیرؤوں کو نوشیرواں نے اپنے عہد میں فنا کیا۔

تقریباً اسی قسم کا دوسرا مذہب ایک مجوسی **جاویدان** پسر سہرک نے ہارون کے زمانہ میں وہاں ایجاد کیا۔ یہ فارس کے شمال میں آذربیجان اور اران کے درمیان قصبۂ بدکار میں تھا۔ اس اطراف کے بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے اور انھوں نے اپنی ایک بڑی جماعت بنالی۔

بابک خرمی رستاق مہند کے متصل ایک گاؤں بلال آباد میں پیدا ہوا تھا۔ جاویدان کی شہرت سنکر اس کے پاس گیا۔ اور اسکی شاگردی اختیار کی۔ اس نے اس میں فہم و ذہانت دیکھی اس لیے اس کے اوپر بہت مہربان ہو گیا۔ جب وہ مرگیا تو اس کی بیوی نے اسکے پیرؤوں کو جمع کر کے کہا کہ جاویدان نے کل مجھ سے کہا تھا کہ آج کی رات میری روح میرے جسم سے نکل کر بابک کے جسم میں چلی جائے گی۔ لہذا اب لوگوں کو چاہیئے کہ اسی کو اپنا سردار بنائیں۔ چنانچہ اس کی جماعت نے بابک کو پیشوا تسلیم کر لیا۔ اور جاویدان

کی بیوی بھی اس کے نکاح میں آگئی۔

بابک نے ان کے لیے سب کچھ یہاں تک کہ خونریزی اور غارت گری کو بھی مباح کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور ان کے خوف سے راستے بند ہو گئے۔

مامون کو ۲۰۱ھ میں مرو میں اس جماعت کی اطلاع ملی۔ اس نے یحییٰ بن معاذ کو ان کی مہم پر متعین کیا۔ لیکن وہ کچھ نہ کر سکا۔ پھر بغداد میں آجانے کے بعد ۲۰۶ھ میں عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو آرمینیہ اور آذربیجان کا والی بنا کر ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اس نے بھی شکست کھائی۔ ۲۰۹ھ میں احمد بن جنید اسکافی فوج لے کر گیا۔ بابک نے اس کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد مامون نے ایک لشکر گراں محمد بن حمید طوسی کی ماتحتی میں روانہ کیا بابک چونکہ کوہستانی علاقہ میں تھا اور اپنے مرکز کو اس نے بہت مستحکم اور محفوظ بنا رکھا تھا۔ اس لیے محمد بن حمید بھی کچھ نہ کر سکا۔ اور مقام ہشادسر میں شکست کھا کر مقتول ہوا۔ اس فتح سے بابک کی دھاک بندھ گئی۔ اور ہمدان۔ اصفہان۔ ماسبذان اور مہرجان وغیرہ کے اکثر باشندے خرمی مذہب میں داخل ہو کر اس کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

مامون نے پھر کسی سپہ سالار کو نہیں بھیجا۔ مگر مرتے وقت معتصم کو وصیت کر گیا کہ خرمیوں سے غفلت نہ کرنا۔ اور جس طرح ہو سکے ان کو قابو میں لانا۔ ورنہ یہ چنگاری تمام ایران میں شعلے بھڑکا دے گی۔ چنانچہ خلیفہ ہو جانے کے بعد معتصم نے اپنے سب سے بڑے ترکی سپہ سالار افشین کو منتخب فوجوں کے ساتھ بابک کی مہم پر متعین کیا۔ اور اس کی روانگی سے پہلے ابو سعید محمد بن یوسف کو اردبیل کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان قلعوں کی مرمت کرے جن کو بابک نے خراب کر دیا ہے۔ اس نے زنجان سے اردبیل تک کل قلعوں کو

درست کیا۔ اور اُن کے سازوسامان ترتیب دیئے۔ اس درمیان میں خرمیہ نے متعدد حملے اس کے اوپر کیے لیکن وہ ان کو شکست دیتا رہا۔

اس کے بعد برید کا سلسلہ قائم کیا۔ اور رہ ہر فرسخ پر ایک ایک چوکی بنوائی۔ تاکہ خطوط کا خریطہ جب ایک چوکی سے دوسری پر پہونچے تو اسوقت ایک سوار تیار رہے جو فوراً اس کو لے کر وہاں سے روانہ ہو جائے۔ یہ انتظام ایسا مکمل کیا کہ اردبیل سے اراکلا تک چار روز یا اس سے بھی کم میں خطوط پہونچتے تھے۔

افشین فوج لے کر چلا۔ اور برزند میں پہونچکر قیام کیا۔ وہاں سے اردبیل تک قلعوں میں فوجی دستے متعین کیے۔ اور ہر طرف اپنے جاسوس بھیجے۔

افشین اور بابک میں عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ جاڑوں میں بوجہ برف باری کے موقوف ہو گیا۔

ایک بار دربار خلافت سے فوج کے لیے خزانہ آرہا تھا۔ بابک کو اس کا علم ہو گیا وہ ایک جماعت کو مخفی طور پر لے کر چلا کہ راستہ میں اس کو لوٹ لے۔ افشین کو جاسوس نے اس کی اطلاع دی۔ وہ انکے راستہ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اور جب خرمیہ قریب آگئے تو اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ صرف بابک چند ہمراہیوں کے ساتھ بچکر نکل گیا باقی کوئی زندہ نہیں بچا۔

ربیع ۲۲۱ھ میں افشین نے بابک کے مرکز قصبہ بذ پر زنا نت کی۔ فریقین میں سخت خونریز جنگ ہوئی۔ آخر میں ترکی فوج غالب آکر بذ میں داخل ہو گئی۔ بابک نے چاہا کہ بھاگ کر رومی سرحد میں نکل جائے لیکن افشین نے ہر طرف سے سواروں کو بھیجکر پہلے ہی سے ناکہ بندی کر دی تھی۔ اس لیے وہ نکل نہیں سکا اور گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کے

گھر کے ۷، امرد اور ۲۳ عورتیں اور لڑکیاں بھی پکڑی گئی تھیں۔

دار الخلافہ میں جسدن ان کو لے گئے اس دن ان کے دیکھنے کے لیے سارے شہر میں دھوم تھی۔ بابک سامرا میں اور اس کا بھائی بغداد میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔

بیس سال کے زمانہ میں بابک نے جسقدر آدمی قتل کیے تھے ان کا شمار ۲۵۵۰۰۰ تھا۔ افشین نے جب اس کو گرفتار کیا اس وقت بھی اس کے یہاں ۷۶۰۰ قیدی ملے جو آزاد کیے گئے۔

فوج

عباسی دولت کی بنیاد خراسانیوں کے ہاتھ سے پڑی تھی۔ اس لیے ان کے زمانہ میں ان کو ملکی اور فوجی بڑے بڑے عہدے حاصل ہو گئے تھے۔ اور عربوں سے کم انکا رتبہ نہ تھا۔

پھر مامون کی خلافت بھی اہل خراسان ہی کی بدولت قائم ہوئی۔ اس لیے اس کے عہد میں ان کا زور بہت بڑھ گیا۔ اور عربوں کی شان بالکل گھٹ گئی۔ عجمی عنصر تمام مناصب پر حاوی ہوگیا اور فوج میں بھی یہی لوگ بھرتی کیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ مامون کے زمانہ میں کوئی عربی سپہ سالار نام ونمود نہیں حاصل کر سکا۔ بلکہ ترکوں اور خراسانیوں نے شہرت پائی۔

ملک شام کا ایک رئیس مامون سے کہا کرتا تھا کہ شام اسلامی قوت کا مرکز ہے وہاں کے لوگوں پر بھی آپ کی وہی نظر ہونی چاہیے جو خراسانیوں پر ہے۔ ایک بار مامون نے اس کے جواب میں کہا کہ شامیوں کو میں نے فوج سے اسوقت خارج کیا ہے جبکہ میرے خزانہ میں ایک درہم بھی نہیں رہگیا۔ اور اہل یمن نے نہ کبھی مجھکو پسند کیا نہ میں اُن کو پسند کرتا ہوں

رہے قضاعہ! وہ سفیانی کے خروج کے منتظر ہیں کہ اس کا ساتھ دیں۔ بنی عباس سے انکو کوئی ہمدردی نہیں۔ اور قبائل ربیعہ تو خود اللہ تعالیٰ سے خفا ہیں کہ اس نے اپنے نبی محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مضر میں سے کیوں مبعوث فرمایا۔ وہ بھلا ہمارے ہواخواہ کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اس تصریح سے صاف ظاہر ہے کہ عربی عصبیت جس کے انحطاط کو عالم اسلامی محسوس کر رہا تھا اسکو بنی عباس کس نظر سے دیکھتے تھے۔ اور عربوں کے متعلق ان کا کیا رویہ تھا۔ یہی خیالات تھے جن کی بنیاد پر ان خلفاء نے اہل عرب کی طرف سے اپنی توجہ پھیر لی۔ اور عجمی فوج پر اعتماد کیا جس سے ان کی خلافت صرف نام کی عربی خلافت رہ گئی جس کی زبان عربی تھی۔ ورنہ عربی قوت اور عربی عصبیت کا عنصر اس میں باقی نہیں تھا۔

طاہر بن حسین

مامون کے سپہ سالاروں میں جو شخص سب سے زیادہ ممتاز ہوا وہ طاہر بن حسین بن مصعب بن رزیق بن ماہان تھا۔ رزیق حضرت طلحہ بن عبیداللہ کا، جو طلحۃ الطلحات خزاعی کے لقب سے مشہور رہتے غلام تھا مسلم بن زیاد بن ربیعہ نے اپنی ولایت کے زمانہ میں اس کو سیستان کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ اس کا بیٹا مصعب بنی عباس کے نقیب اعظم سلیمان بن کثیر کا کاتب تھا۔ آخر میں وہ ہرات کا امیر ہو گیا تھا۔ پھر مرو کے متصل ایک مقام بوشنج میں اس نے سکونت اختیار کی۔ وہیں ۱۵۹ھ میں اس کا پوتا طاہر پیدا ہوا۔ اس نے علم و ادب سیکھا۔ اور بڑا تنومند اور بہادر نکلا۔ مامون جب مرو میں تھا تو اس کے دربار میں رسائی پائی۔ امین کے مقابلہ کے لیے اُس نے اسی کو منتخب کیا۔ ان جنگوں میں اس کی متواتر کامیابیوں نے اس کے نام کو روشن کر دیا۔ آخر میں اس نے بغداد پر قبضہ کیا۔ اور امین کو قتل کرکے مامون کی بیعت لی۔ اس کے بعد فضل بن سہل وزیر نے اس کو رقہ میں نصر بن شبث کے

مقابلہ میں بھیجا۔ لیکن بددل ہو جانے کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا۔

مامون کے بغداد میں پہونچنے پر طاہر حاضر ہوا۔ اسوقت اس کی سابقہ خدمات کی قدردانی کر کے مامون نے اس کو بغداد کی کوتوالی اور اس کے اطراف اور صوبۂ جزیرہ کی ولایت عطا کی۔ اسی درمیان میں یہ خبر ہونچی کہ عبدالرحمٰن مطوعی نے نیشاپور میں خارجیوں سے لڑنے کے لیے ایک جماعت کثیر فراہم کی ہے۔ مامون کو یہ شبہہ گذرا کہ اس اجتماع کی غرض کچھ اور نہ ہو۔ اس لیے اس نے طاہر کو خراسان کا والی مقرر کر کے بھیجا تاکہ اگر کوئی فتنہ پیدا ہو تو وہ اس کا انسداد کر سکے۔

اس نے وہاں پہونچکر نہایت لیاقت کے ساتھ انتظام کیا۔ جس سے ہر قسم کے فتنے رفع ہو گئے۔ مامون ہمیشہ اسکی تدبیر۔ شجاعت اور خیرخواہی کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اگر خلیفہ امین کے قتل کے جرم کا وہ مرتکب نہ ہوا ہوتا تو غالباً مامون اس کو وزیر اعظم کر دیتا۔

افریقہ میں ابراہیم بن اغلب اور یمن میں محمد بن ابراہیم کی طرح طاہر بھی خراسان کا مستقل حکمراں ہو گیا۔ وہ صرف سالانہ خراج دارالخلافہ کو بھیجدیتا تھا۔ باقی کل امور میں آزاد تھا۔

۲۰۷ھ میں مرو میں اس نے انتقال کیا۔ اس کے بعد ۲۵۹ھ تک خراسان کی حکومت اس کی اولاد کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے بعد یعقوب بن لیث صفار نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور خاندانِ صفاریہ کی حکومت قائم ہو گئی۔

باوجود استقلال کے خاندان طاہریہ کا علاقہ دارالخلافہ کے ساتھ ہمیشہ خوشگوار رہا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ بغداد کی کوتوالی کا عہدہ بھی نسلاً بعد نسلٍ اسی خاندان میں چلا آیا۔

اور برابر ایران کے تعلقات مرکز کے ساتھ قائم رہے۔

عبداللہ بن طاہر

طاہر کا بیٹا عبداللہ بھی عہد مامونی کا نامور سپہ سالار تھا۔ اس کی ولادت ۱۸۲ھ میں ہوئی تھی۔ طاہر کی کامیابیوں کے بعد ۱۹۹ھ میں مامون نے اس کو اپنے دربار میں لے لیا اور اسکی تربیت کی۔ ۲۰۶ھ میں نصر بن شبث کے مقابلہ میں اس کو متعین کیا۔ پانچ سال کی متواتر جنگ کے بعد جب وہاں سے کامیابی کے ساتھ فراغت پائی تو مامون نے اس کو مصر کی طرف بھیجا۔ کیونکہ وہاں کا امیر عبیداللہ بن سری باغی ہوگیا تھا۔ عبداللہ نے جاکر اس کو محصور کیا۔ مجبوراً اس نے امان طلب کی۔

اس فساد کو فرو کر کے وہ اسکندریہ کی طرف بڑھا جہاں اندلس کی فوجیں آکر مسلط ہوگئی تھیں۔ ان کو وہاں سے نکال کر امن قائم کیا۔

علامہ **یونس** بن عبدالاعلےٰ نے جو مصر کے ایک ممتاز محدث تھے لکھا ہے کہ مصر کی یہ حالت تھی کہ ہر طرف سے متغلبین اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جابجا فتنہ اور فساد برپا تھا۔ ایک طرف سے اندلسی فوجوں نے مصیبت ڈھا رکھی تھی اور اہل مصر سختی اور بلا میں گرفتار تھے۔ کہ اسی درمیان میں مشرق کی طرف سے ایک نوجوان (عبداللہ بن طاہر) آیا۔ اُس نے چند دنوں میں سارے ملک میں امان قائم کر دیا اور سب کو مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔

۲۱۲ھ میں جب وہ مصر سے واپس آیا تو مامون نے اس کو جبال۔ آرمینیہ اور آذربیجان کی ولایت کا فرمان دے کر بابک کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ لیکن اسی اثنا میں خبر آگئی کہ طلحہ بن طاہر والی خراسان کا انتقال ہوگیا۔ اس لیے اس کو خراسان جانے کا حکم دیا۔ وہاں وہ متواتر ۱۸ سال تک حکمراں رہا۔ اور ۲۳۰ھ میں واثق باللہ کے عہد میں

وفات پائی۔

محاصل

مامون کا عہد اس لحاظ سے ممتاز ہی کہ اس کے زیرنگیں جسقدر صوبے تھے اور اُن سے جتنا خراج ہر سال دارالخلافہ میں آتا تھا وہ کتب تاریخ میں مرقوم ہی۔ علامہ **ابن خلدون** نے عہد مامونی کے محفوظ سرکاری کاغذات کو دیکھکر تفصیل وار اس کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں نقل کیا ہی۔ ہم بجنسہ یہاں درج کرتے ہیں۔

اقلیم	زر نقد	پیداوار خام
سواد	۲۷۸۰۰۰۰۰ درہم	۲۰۰ نجرانی پارچے۔ اور ۲۴۰ رطل مہر لگانے کی مٹی۔
کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰ ″	
کور دجلہ	۲۰۸۰۰۰۰۰ ″	
حلوان	۴۸۰۰۰۰۰ ″	
اہواز	۲۵۰۰۰۰۰۰ ″	۳۰۰۰۰ رطل شکر
فارس	۲۷۰۰۰۰۰۰ ″	۳۰۰۰۰ شیشے گلاب ۲۰۰۰۰ رطل روغن سیاہ
کرمان	۴۲۰۰۰۰۰ ″	۵۰۰ یمنی تھان۔ ۲۰۰۰۰ رطل خرما
مکران	۴۰۰۰۰۰ ″	
سندھ مع مضافات	۱۱۵۰۰۰۰۰ ″	۱۵۰ رطل عود ہندی
سجستان	۴۰۰۰۰۰۰ ″	۳۰۰ تھان۔ ۲۰ رطل فانیذ
خراسان	۲۸۰۰۰۰۰۰ ″	۴۰۰۰ گھوڑے۔ ۱۰۰۰ غلام۔ ۲۰۰۰۰ تھان

			۳۰۰۰۰ رطل ہلیلہ۔ ۲۰۰۰۰ نقرہ چاندی۔
جرجان	۱۲۰۰۰۰۰۰	درہم	۱۰۰۰ پارچہ ریشمی۔
قومس	۱۵۰۰۰۰۰	″	۱۰۰۰ نقرہ چاندی
طبرستان ودریان	۶۳۰۰۰۰۰	″	۶۰۰ فرش طبرستانی ۔ ۲۰۰ چادریں۔ ۵۰۰ تھان۔
رے	۱۲۰۰۰۰۰۰	″	۲۰۰۰۰ رطل شہد
ہمدان	۱۱۳۰۰۰۰۰	″	۱۰۰۰ رطل رب الرمانین۔ ۱۲۰۰۰ رطل شہد
بصرہ وکوفہ	۱۰۷۰۰۰۰۰	″	
ماسبذان وریان	۴۰۰۰۰۰۰	″	
شہرزور	۶۷۰۰۰۰۰	″	
موصل مع توابع	۲۴۰۰۰۰۰۰	″	۲۰۰۰۰ رطل شہد
آذربیجان	۴۰۰۰۰۰۰	″	
جزیرہ ونواحی	۳۴۰۰۰۰۰۰	″	۱۰۰۰ اعلام۔ ۱۲۰۰۰ مشک شہد۔ ۱۰ باز۔ ۲۰ چادریں۔
آرمینیہ	۱۳۰۰۰۰۰۰	″	۲۰ قسط۔ ۵۳۰ رطل زقم۔ ۱۰۰۰۰ رطل سورماہی۔ ۱۰۰۰۰ رطل سونج۔ ۲۰۰ خچر۔ ۳۰ بچھیرے۔
برقہ	۱۰۰۰۰۰۰	″	۱۲۰ فرش
افریقہ	۱۳۰۰۰۰۰۰	″	
	۳۱۸۶۰۰۰۰۰ درہم		

قنسرین	۴۰۰۰۰۰	دینار	
دمشق	۴۲۰۰۰۰	″	
اردن	۹۷۰۰۰	″	
فلسطین	۳۱۰۰۰۰	″	۳۰۰۰۰۰ رطل روغن زیت
مصر	۱۹۲۰۰۰۰	″	
یمن	۳۷۰۰۰۰	″	
حجاز	۳۰۰۰۰۰	″	
	۳۸۱۷۰۰۰	دینار	

اس آمدنی کا بڑا حصّہ بغداد ہی میں خلیفہ امراء۔ وزراء۔ لشکر اور عملہ کی تنخواہوں عطیوں اور بخششوں میں صرف کرتا تھا۔ اس وجہ سے رفاہیت اور خوشحالی عام تھی۔

طیفوری نے ایک روایت نقل کی ہی کہ مامون جس وقت ملک شام میں تھا معتصم اپنی ولایت کا خراج لے کر پہونچا۔ اور اس کے سامنے تیس کرور درہم رکھوا دیے مامون نے کہا کہ ہمارے اہل دربار اور عملہ اس کو دیکھتے ہوئے خالی ہاتھ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں اور ہمیں اس کے مالک نہیں یہ تو مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اسی وقت اپنے وزیر محمد بن یزداد کو بلا کر کسی کو دس ہزار کسی کو بیس ہزار دلوایا۔ اور فرمایا کہ جو کچھ بچ گیا ہی اس کو بخشی کے پاس بھیجدو وہ فوج میں تقسیم کر دے۔

حقیقت میں یہ بہت بڑی بخشش ہی۔ لیکن آمدنی کا خیال کیا جائے تو وہ اس سے کہیں بڑھ کر تھی۔

کتب خانہ

علوم و فنون

آغاز اسلام میں مسلمانوں کو بوجہ جنگ و جہاد کے علوم و فنون کی طرف توجہ کرنیکی فرصت نہیں مل سکی۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں ان کا علمی مشغلہ صرف قرآن اور روایت حدیث تھا۔ بنی اُمیہ کے عہد سے تدوین کتب شروع ہوئی۔ اور تفسیر و حدیث کی بعض بعض کتابیں لکھی گئیں۔

سب سے پہلا شخص جس نے علوم وخیلہ کی طرف توجہ کی خالد بن یزید اول تھا۔ اس کو کیمیا کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس نے مصر سے چند یونانیوں کو جو وہاں سکونت گزیں تھے شام میں بلایا۔ اور ان سے اس فن کی بعض یونانی اور قبطی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ پھر خود بھی اس میں رسالے لکھے۔

بنی اُمیہ کے عہد میں قبطی۔ سریانی اور فارسی زبانوں سے دفتر حکومت عربی میں منتقل کیا گیا۔ اس وقت سے غیر عرب بھی اس زبان کو سیکھنے لگے۔ بالخصوص ایرانیوں کی ایک کثیر تعداد عربی داں ہو گئی۔

عباسی حکومت میں جب عجمی اقوام سے تعلقات بڑھے تو خلفاء کو یہ شوق پیدا ہوا کہ ان کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرائیں۔ سب سے پہلے خلیفہ ابو جعفر منصور نے کتب قدیمہ کے ترجمہ کی طرف توجہ کی۔ اس کے لیے جورجس بن جبرائیل نے جو جندیسا بور کے شفاخانہ میں طبیب تھا طب کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ۱۴۸ھ میں منصور نے اس کو اپنے دربار میں بلایا۔ اور قدر دانی فرما کر اس کے رتبہ کو بڑھا دیا۔ اس نے بقراط اور جالینوس کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کر ڈالا۔

جورجس کے علاوہ اور لوگ بھی اس کام میں مشغول ہوئے۔ ابن المقفع نے کلیلہ و دمنہ

کو فارسی سے عربی میں نقل کیا۔ سنسکرت کی کتاب سدھند اور بطلیموس کی کتاب مجسطی اور اقلیدس کے مقالے عربی میں منتقل ہوئے۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں یہ شوق اور ترقی کر گیا۔ اس نے بیت الحکمۃ کے نام سے ایک کتب خانہ قائم کیا جس میں کتابوں کے ترجمے کیے جاتے تھے۔ اس میں اس نے مختلف اقوام و ملل کے علماء اور حکماء اسی کام کے لیے ملازم رکھے۔

جنگ روم میں جب اس نے انگورہ اور عموریہ وغیرہ کو فتح کیا تو وہاں سے بہت سی یونانی کتابیں مختلف علوم و فنون کی لایا اور ان کا ترجمہ کرایا۔

برامکہ نے بھی اپنی فیاضی اور سخاوت سے مترجمین کی سرپرستی کی اور بہت سے اہل علم کو اس کام میں لگایا۔

خلفاء عباسیہ میں مامون سب سے زیادہ صاحب علم و فضل تھا۔ اس نے بڑے بڑے ائمہ مثلاً یزیدی خلیل بصری اور کسائی وغیرہ سے علوم ادبیہ کو حاصل کیا تھا۔ امام مالک سے حدیث پڑھی تھی۔ اس کو چونکہ فلسفہ سے بھی ذوق تھا اس لیے اس نے قیصر کو ایک خط لکھا کہ علوم قدیمہ کی جو کتابیں روم میں محفوظ ہیں وہ ہمارے پاس بھیجدی جائیں۔ قیصر نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن پھر راضی ہو گیا۔ کیونکہ مذہبی پیشواؤں نے اس سے کہا کہ یہ کتابیں گمراہی کا ذریعہ ہیں بہتر ہے کہ مسلمانوں کے پاس بھیجدی جائیں تاکہ ان میں گمراہی پھیلے اور ہماری قوم اس سے محفوظ رہے۔

مامون نے حجاج بن مطر۔ یحییٰ بن بطریق۔ یوحنا بن ماسویہ اور بیت الحکمۃ کے مہتمم سلما وغیرہ کو بھیجا۔ یہ جا کر وہاں سے کتابیں لائے۔ اور پھر ان کے لیے مترجمین مقرر کیے۔

اس عہد میں یہ شوق اس قدر عام ہو گیا تھا کہ خلیفہ کے علاوہ امراء نے بھی اپنے یہاں دار الترجمہ

قائم کیے۔

بنو شاکر یعنی محمد۔ احمد۔ اور حسن تینوں نے روم سے فلسفہ۔ طب۔ ہندسہ حساب اور موسیقی وغیرہ کی کتابیں منگوا کر ان کے ترجمے کرائے۔ اور بیش قرار دولت اس کام میں صرف کی۔ حنین بن اسحاق ثابت بن قرہ اور حبیش بن الحسن وغیرہ جیسے ممتاز اہلِ علم یہاں ترجمے کے لیے ملازم تھے۔ جن کی تنخواہوں کا ماہوار خرچ ۵۰۰ دینار تھا۔

مامون کے طبیب خاص جبریل بن بختیشوع نے بھی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

قسطا بن لوقا بعلبک کا ایک عیسائی تھا جو مختلف زبانیں جانتا تھا۔ اور طب۔ فلسفہ۔ حساب اور موسیقی سے ذوق رکھتا تھا۔ اس نے بھی یونانی زبان سے متعدد کتابیں عربی میں منتقل کیں۔

عہد مامونی کے مترجمین میں سب سے نامور یعقوب بن اسحاق کندی تھا۔ اس کا سلسلہ نسب اشعث بن قیس بن معدی کرب مشہور قحطانی رئیس تک پہنچتا ہے۔ یہ شخص طب۔ فلسفہ۔ منطق۔ ہندسہ اور نجوم وغیرہ میں کامل تھا۔ اسلام میں فلسفی اور حکیم کا لقب سب سے پہلے اسی کو ملا۔ اس نے ارسطو کے فلسفہ اور منطق کو عربی میں نقل کیا۔ اور ان میں جو مشکلات تھیں وہ بھی حل کر دیں۔

حنین بن اسحاق طب میں فاضل تھا۔ اور یونانی۔ سریانی۔ فارسی اور عربی اچھی طرح جانتا تھا۔ ان ممالک میں اس نے سیاحی بھی کی تھی۔ سنہ ۲۶۰ھ میں وفات پائی۔ اس کے ترجمے نہایت اچھے ہیں۔

عمر بن فرخان طبری اور ثابت بن قرہ حرانی بھی اچھے مترجمین میں تھے۔

ان کے علاوہ اور بھی کثرت سے مترجمین تھے جنھوں نے حساب۔ اعداد۔ لحن اور

موسیقی وغیرہ ہر قسم کی کتابیں ترجمہ کیں۔ جن کی وجہ سے علوم اسلامیہ وعربیہ کے علاوہ یونانی رومی قبطی۔ فارسی اور ہندی اقوام کے جملہ علوم وفنون عربی میں آ گئے۔ اور امت اسلامیہ میں شائع ہو گئے۔

محیطِ زمین

مامون نے ہیئت کی کتابوں میں دیکھا کہ کرۂ زمین کا دور ۲۴ ہزار میل ہے۔ اس نے اس کی تحقیق کے لیے اہل ہیئت کی ایک جماعت متعین کی جن میں بنی شاکر بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے سنجار کے میدان کو جو مسطح تھا اس کام کے لیے منتخب کیا۔ وہاں ایک مقام پر قطب شمالی کا ارتفاع دریافت کر کے ایک کھونٹی گاڑی۔ پھر بخط مستقیم رسّی باندھتے اور کھونٹیاں گاڑتے ہوئے اس کے شمالی جانب چلے گئے۔ جب ⅔ ۶۶ میل پر پہنچے تو دیکھا کہ قطب شمالی کا ارتفاع پورا ایک درجہ بڑھ گیا۔ اس سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ قطب کے ایک درجہ کے مقابل میں زمین کی مسافت ⅔ ۶۶ میل پڑتی ہے۔

مزید تحقیق کے لیے اس مقام سے جہاں پہلے کھونٹی گاڑی تھی جنوب کی طرف اسی طرح چلے۔ اور جب ⅔ ۶۶ میل پر پہنچے تو دیکھا کہ ارتفاع قطب ایک درجہ کم ہے۔ اس لیے یقین ہو گیا کہ قطب کے ایک درجہ کی مطابقت زمین کی ⅔ ۶۶ میل کے ساتھ بالکل ٹھیک ہے۔ اب اس حساب سے آسمان کے ۳۶۰ درجوں کو ⅔ ۶۶ کے ساتھ ضرب دیا تو ۲۴ ہزار میل ہوئے۔

لیکن مامون کے دل کو تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے حکم دیا کہ کسی دوسرے مقام پر بھی اسی طریقہ سے تحقیقات کی جائے۔ چنانچہ دوبارہ صحرائے کوفہ میں یہی عمل کیا گیا۔ اور بالکل پہلی تحقیق کے مطابق اترا۔ اس لیے یہ بات مسلم ہو گئی کہ کرۂ زمین کا محیط ۲۴ ہزار میل ہے۔

رصدگاہ

۲۱۴ھ میں مامون نے اطراف ملک سے ممتاز اہل ہیئت و تنجیم مثلاً خالد بن عبدالملک مرور وذی۔ سند بن علی اور عباس بن سعید جوہری وغیرہ کو طلب کر کے شماسیہ میں ایک رصدگاہ بنوائی۔ یحییٰ بن ابی منصور اس کا منتظم تھا۔

مامون کے منجم خاص ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جس نے سب سے پہلے کتاب الجبر والمقابلہ لکھی اسی رصدگاہ میں تحقیقات کر کے اپنی زیج مرتب کی جو ابن فزاری کی زیج سے فوقیت لے گئی۔

مامون کی اس ہنر پروری اور علمی دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسوقت تک دنیا میں جسقدر علوم و فنون تھے اہل اسلام ان سب کے مالک اور اُن میں دیگر اقوام سے فائق تر ہو گئے۔ اسی بنیاد پر ہمارے ملک کے ایک علم دوست مؤرخ نے اسکو ابطالِ اسلام میں سے شمار کیا ہے کیونکہ وہی ان علوم کے لواء کا حامل تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ اسلام کا کام محض نشر و اشاعت علوم ہی نہیں ہے بلکہ اس کا اولیں فرض یہ ہے کہ قانون شرع کے مطابق امت کی مہمات کو انجام دے اور اصول اسلام کی حمایت اور ان کا احترام کرے۔ اس حیثیت سے دیکھو گے تو مامون کی شخصیت بھی دیگر خلفاء عباسیہ کی طرح مستبد۔ جمہوریت کش امت کی آزادی بلکہ اُن کی دینی حریت کو بھی سلب کرنے والی ملے گی۔ جیسا کہ آیندہ صفحات سے روشن ہو جائیگا۔

مجالسِ علمیہ

مامون کو چونکہ بہ نسبت اپنے پیش رو خلفاء کے علم سے زیادہ ذوق تھا اس لیے وہ ایک جماعت اہل علم کی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اور اُن سے علمی بحثیں کرتا تھا۔

بغداد میں اسوقت اگرچہ علوم دینیہ کو غلبہ تھا لیکن متکلمین کا بھی ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا جو عقائد دین میں عقلی اصول کے ساتھ بحث کرتا تھا۔ اور چند ایسے نتیجوں پر پہونچگیا تھا جو علماء دین کے مسلمہ عقائد سے مختلف تھے۔ اس لیے اس گروہ اور جمہور اہل اسلام میں ایک مخالفت قائم ہوگئی تھی۔

سب سے پہلے یہ اختلافات بصرہ میں پیدا ہوئے۔ پھر وہاں سے منتقل ہوکر بغداد میں پہونچے۔ اس جماعت کا بانی **واصل** بن عطا رغزال اور عمرو بن عبید تھا جسکی خلیفہ منصور کے دربار میں بڑی عزت تھی۔

اس کے بعد اس کے سرغنے **ابو ہذیل علاف**۔ ابراہیم بن سیّار نظام بشر بن غیاث مریسی۔ عمرو بن بحر جاحظ اور ثمامہ بن اشرس وغیرہ ہوئے۔ یہی لوگ رأس المتکلمین اور رؤساء اعتزال تھے۔

اہل سنت سے جن مسائل میں ان کا اختلاف تھا اُن میں سے مندرجہ ذیل دو نہایت اہم تھے۔

(۱) مسئلہ **خلق افعال**۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بندوں کے جسقدر افعال ہیں اُن کے خالق وہ خود ہیں۔ اسی سبب سے وہ اُن کے اوپر جزا و سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

اہل سنت کہتے تھے کہ افعال کا بندوں سے بجز اس کے اور کچھ تعلق نہیں کہ انکے توسط سے وہ صادر ہوتے ہیں۔ اصلی خالق اُنکا اللہ تعالےٰ ہے۔

(۲) مسئلہ **صفات** معتزلہ ذات الٰہی کو صفات سے منزّہ مانتے تھے۔ یعنی یہ کہ قدرت ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ حیات اور کلام وغیرہ جو صفات الٰہی ہیں بذات خود قائم نہیں ہیں۔ ورنہ قدماء کا تعدد لازم آجائے گا۔ اللہ تعالےٰ اپنی عین ذات کے لحاظ سے قادر سمیع

اور بصیر وغیرہ ہی۔

اہل سنت صفات کو عین ذات نہیں مانتے تھے۔ بلکہ قائم بالذات کہتے تھے۔

اس سے یہ اختلاف پیدا ہوا کہ قرآن جو کلام اللہ ہے حادث ہی یا قدیم ہی۔ جمہور اس کو کلام کے صفت الٰہی ہونے کی وجہ سے قدیم اور غیر مخلوق کہتے تھے لیکن معتزلہ کا قول تھا کہ ان حروف اور اصوات کو اللہ تعالےٰ ایک حادث جسم میں جسکو نبی کہتے ہیں پیدا کر دیتا ہی۔ یہی ان کے نزدیک وحی کی حقیقت تھی۔

گو علماء اہل سنت مثلاً امام **ابو حنیفہ**۔ **مالک**۔ اور **شافعی** وغیرہ میں بھی باہم اختلافات تھے۔ لیکن ان کا مرجع مسائل شرعیہ اور امور فرعیہ تھے۔ اس لیے یہ اختلافات مخالفت کی حد تک نہیں پہونچتے تھے۔ بلکہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے اجتہاد اور استنباط کا احترام کرتا تھا۔ لیکن معتزلہ کے اختلافات چونکہ اصول دیانات سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اہل سنت ان کو مبتدع قرار دیتے تھے۔ اور ان کے ایمان میں خلل سمجھتے تھے۔ اسی طرح معتزلہ ان کو جاہل اور عامی کہتے تھے۔

دوسرا اختلاف سنی اور شیعہ کا تھا۔ اسلام میں جو دو سیاسی فرقے پیدا ہو گئے تھے یعنی شیعہ اور خارجی ان میں سے خارجی تو تقریباً فنا ہو چکے تھے۔ مگر شیعہ باقی تھے۔ اہل سنت کا قول تھا کہ خلفاء راشدین نے جس ترتیب سے خلافت پائی اسی ترتیب سے ان کا رتبہ اور استحقاق تھا۔ لیکن شیعہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلافت کے مستحق حضرت علی تھے اور ان کے بعد ان کی اولاد ہی۔

اس جماعت کے بھی دو فرقے تھے ایک امامیہ جو غالی تھے اور خلفاء ثلاثہ کو غاصب قرار دیتے تھے۔ دوسرے زیدیہ جن کے نزدیک خلافت کے مستحق اگرچہ حضرت علی تھے

لیکن خلفاء ثلاثہ بھی چونکہ عادل تھے اس لیے ان کی شان میں گستاخی ناجائز سمجھتے تھے۔ پھر ان میں سے بھی ہر ایک کی مختلف شاخیں تھیں جن کے آراء اور خیالات میں اکثر اختلافات تھے۔

مامون جب مرو سے بغداد میں آیا تو اس نے اپنے علمی ذوق کی وجہ سے قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کو حکم دیا کہ وہ پایہ تخت کے علماء کو دربار میں لائیں۔ چنانچہ اُنھوں نے مختلف جماعتوں کے چالیس علماء چُن کر حاضر کیے۔ مامون نے مجلس مناظرہ قائم کی۔ سہ شنبہ کے دن یہ محفل منعقد ہوتی تھی۔ خلیفہ بھی شریک ہوتا تھا۔ اور ہر فرقہ کے اہل علم آزادی کے ساتھ بحث کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امامیہ اور زیدیہ بھی اس کے سامنے مسئلہ امامت پر بے باکی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ اور معتزلہ اپنے عقائد کے اثبات میں دلیلیں لاتے تھے۔ اب تک اصحاب حدیث کے غلبہ کی وجہ سے کوئی شخص علانیہ کسی امر میں ان کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس مجلسِ مناظرہ نے یہ راستہ کھول دیا۔

غالباً مامون کا مقصد اس سے یہ تھا کہ باہمی مناظرات سے اختلافات مٹ جائیں گے اور تمام فرقے متفق اور ہم خیال ہو جائیں گے۔ لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا۔ کیونکہ اس نے خود ان بحثوں میں معتزلہ کے بعض عقائد کی تائید کی۔ خاص کر مسئلہ خلق قرآن میں اس لیے فقہاء اور اُن کے اثر سے جمہور اہل سنت اس کے مخالف ہو گئے۔

فتنہ خلق قرآن

۲۱۲ھ میں مامون نے خلق قرآن کے عقیدہ کا اعلان کیا۔ اسی وقت سے علماء اور فقہاء نے اس کو بدعتی۔ ملحد بلکہ کافر بھی کہنا شروع کیا۔ یہ مخالفت برابر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ۲۱۸ھ میں اس نے اپنی رائے کی حمایت میں اپنی قوت کو استعمال کرنا چاہا۔

اس زمانہ میں وہ شام میں جنگ کے لیے گیا ہوا تھا۔ وہاں سے ربیع الاول ۲۱۸ھ میں امیر بغداد اسحاق بن ابراہیم بن مصعب کو نہایت سخت لہجہ میں ایک فرمان لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

خلیفہ اسلام ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میں اس دین کی حفاظت اور حمایت کروں میں دیکھتا ہوں کہ جہلا اور عام مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ اور اس کے کلام دونوں کو یکساں قدیم مانتے ہیں۔ اور پھر دعوٰی کرتے ہیں کہ ہم موحد اور اہل حق ہیں اور دوسرے ملحد اور کافر ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کی بہت سی آیتیں ان کے اس عقیدہ کی تردید کرتی ہیں۔ ریاکار اور جاہ پسند فقہا نے ان جاہلوں کا ساتھ دے کر ان کو اور بگاڑ رکھا ہے۔ لہذا ان کو جمع کر کے قاضیوں کے سامنے میرا یہ فرمان سنا دو۔ جو شخص قرآن کو مخلوق نہ کہے اس کا نام دفتر سے کاٹ دیا جائے۔ اور اس کی شہادت ساقط الاعتبار سمجھی جائے۔

اسحاق کو یہ فرمان بھی لکھا کہ وہاں کے مشائخ جمہور کو میرے پاس بھیج دو۔ اس نے ممتاز علماء حدیث مثلاً امام یحیٰی بن معین۔ محمد بن سعد صاحب طبقات۔ ابو خثیمہ زہیر بن حرب۔ اور احمد بن ابراہیم دورقی وغیرہ کو بھیج دیا۔ ان لوگوں نے اس کے سامنے جا کر خوف کی وجہ سے اقرار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔

مامون نے پھر اسحاق کو حکم بھیجا کہ اس مسئلہ کے متعلق علماء بغداد کے بیانات قلمبند کر کے میرے پاس بھیجو۔ اس نے بیس اہل علم کو جمع کیا۔ اور ان کے اظہار لیے۔ سوالات و جوابات کی جو نوعیت تھی اس کو دکھانے کے لیے دو ایک بیان نمونتاً درج کرتا ہوں۔

اسحاق - قرآن کے مخلوق ہونے کے متعلق تم کیا کہتے ہو ؟

علی بن مقاتل - میں اس سے پیشتر خود امیرالمومنین سے اس کے بارہ میں کہہ چکا ہوں

اسحاق - کیا قرآن مخلوق نہیں ؟

علی - قرآن کلام اللہ ہے -

اسحاق - میرا سوال یہ نہیں ہے

علی - اس کے سوا اور کوئی جواب میرے پاس نہیں ہے - ہاں امیرالمومنین اگر مجھ سے کسی بات کے کہنے کا حکم دینگے تو میں اُن کی اطاعت کرونگا -

علامہ بشیر بن ولید سے اسحاق نے پوچھا کہ تمھارا قرآن کے متعلق کیا عقیدہ ہے -

بشیر - میرا جو کچھ خیال ہے اس کو میں پہلے ظاہر کرچکا ہوں -

اسحاق - لیکن اب پھر امیرالمومنین کا فرمان آیا ہے -

بشیر - میں صرف یہ کہتا ہوں کہ قرآن کلام اللہ ہے -

اسحاق - میں یہ نہیں پوچھتا - میرا سوال یہ ہے کہ وہ مخلوق ہے یا نہیں -

بشیر - اللہ ہر شے کا خالق ہے -

اسحاق - قرآن شے ہے -

بشیر - بے شک -

اسحاق - تو وہ مخلوق ہوا -

بشیر - وہ خالق نہیں ہے -

اسحاق - یہ تو جواب نہیں ہوا -

بشیر - اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا - خود امیرالمومنین سے بھی کہہ آیا تھا کہ میں

اس کے متعلق گفتگو کرنا نہیں چاہتا ہوں۔

اسحاق نے تمام لوگوں کے بیانات لکھ کر بھیجدیے۔ اس نے نہایت برافروختہ ہو کر ایک طویل طومار لکھا جس کو ایک جداگانہ قاصد کے ہاتھ بھیجا۔ بغداد کے ائمہ حدیث اور فقہا پر ایک ایک کر کے رشوت خواری۔ خیانت۔ دروغگوئی۔ جہالت اور ریاکاری وغیرہ کی تہمتیں لگائیں۔ اور آخر میں حکم لکھا کہ اگر یہ لوگ قرآن کو مخلوق نہ کہیں تو ان کو پابہ زنجیر میرے لشکر میں بھیجدو۔ دو شخصوں بشیر بن ولید اور ابراہیم بن مہدی کے بارے میں لکھا کہ ان سے توبہ کراؤ اور اگر یہ اپنے عقیدہ سے باز نہ آئیں تو ان کو قتل کردو۔

اسحاق نے پھر اہل علم کو جمع کیا اور یہ خط سنایا۔ اس چنگیزی فرمان کو سنکر بجز چار شخصوں کے سب نے قرآن کو مخلوق کہدیا۔ وہ چار دن قید کیے گئے۔ ان میں سے بھی ایک نے دوسرے دن اور دوسرے نے تیسرے دن اقرار کرلیا اور چھوٹ گئے۔ صرف دو شخص امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوح ثابت قدم رہ گئے۔ انھوں نے طے کرلیا تھا کہ ہم قرآن کو کبھی مخلوق نہیں کہیں گے۔

اسی درمیان میں مامون کا ایک حکم اور آیا کہ مجکو معلوم ہوا ہی کہ بعضوں نے خوف کی وجہ سے اقرار کرلیا ہی۔ لہذا ایسے منافقوں کو مقید کر کے میرے پاس بھیجو۔

اسحاق نے علماء کی ایک جماعت کو بیڑیاں پہنا کر سپاہیوں کی حراست میں طرسوس کی جانب روانہ کیا۔ یہ لوگ مقام رقہ میں پہونچے تھے کہ وہاں مامون کے مرنے کی خبر آگئی۔ اس لیے پھر بغداد کو واپس بھیجدیے گئے۔

مامون نے محض متعصبانہ ضد کی وجہ سے اس چھوٹے سے مسئلہ کو اٹھا کر امت میں تفریق پیدا کردی اور ائمہ حدیث اور علماء امت کو مصیبت اور آزمائش میں

ڈالدیا۔ اس سے نہ صرف اس کی تنک مزاجی اور فلسفیانہ دیوانگی کا اظہار ہوتا ہی بلکہ اُس کی تنگ خیالی اور کوتاہ عقلی کا بھی ثبوت ملتا ہی۔ اس کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں تھا کہ ایک علمی مسئلہ کو دینی عقیدہ قرار دے کر اپنی قوت کے زور سے جبراً لوگوں سے تسلیم کرائے۔ خاصکر اُن ائمہ اور پیشوایانِ دین سے جن کے سامنے وہ طفل مکتب کی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا۔

مامون نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے بھائی **معتصم** ولی عہد کو تاکید کے ساتھ وصیت کر گیا کہ میرے بعد تم بھی اسیطرح ان علماء پر سختی جاری رکھنا۔ معتصم اگرچہ ایک سپاہی آدمی تھا اور علم خاص کر فلسفہ سے زیادہ ذوق نہیں رکھتا تھا لیکن بھائی کی وصیت اور نیز اُن رُوساء اعتزال کے اثر سے جو دربار میں رسوخ پائے ہوئے تھے اس نے بھی اس تشدد کو جاری رکھا۔ امام احمد بن حنبلؒ کو قید خانہ سے بلوا کر تازیانوں سے پٹواتا تھا اور مجبور کرتا تھا کہ وہ قرآن کو مخلوق کہیں۔ لیکن انھوں نے تقریباً ڈھائی سال تک اس سختی کو برداشت کیا اور صبر کے ساتھ اپنے عزم پر قائم رہے۔ اکثر جب کوڑے پڑتے تھے تو بیہوش ہوجاتے تھے۔

معتصم کے بعد **واثق** نے بھی اپنے چچا اور باپ کی اس سنت کو جاری رکھا۔

اس زمانہ میں **احمد بن نصر** ایک ممتاز رئیس تھا۔ اس کا دادا مالک بن ہثیم چونکہ دعوت عباسیہ کے نقباء میں سے تھا اس لیے دربار خلافت میں اس کا خاندانی اثر اور اقتدار چلا آتا تھا۔ وہ اکثر ائمہ حدیث کی صحبتوں میں بیٹھا کرتا تھا۔ اور معتزلہ کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ باوجود واثق کے تشدد اور اپنی دربارداری کے بھی اس نے خلقِ قرآن کے عقیدے کی علانیہ مخالفت کی۔ اور واثق اور اُس کے رفقاء کو کافر کہنے لگا۔

عام مسلمانوں نے اس کا ساتھ دیا۔ اس نے مخفی طور پر چند ہزار کی ایک جماعت تیار کی۔ ایک رات اسکو بغداد کے دونوں جانب تقسیم کیا۔ اور ایک نقارہ رکھا۔ کہ جسوقت یہ بجایا جائے دونوں سمت سے لوگ قصر خلافت پر حملہ کریں۔ لیکن بدقسمتی سے جو لوگ اس کے بجانے پر متعین تھے ان میں سے ایک شخص نے نبیذ پی لی تھی۔ اس نے وقت مقررہ سے قبل اسپر چوبیں مارنی شروع کر دیں۔ لوگ ابھی تک تیار نہیں ہوئے تھے۔ یہ آواز سنکر محمد بن ابراہیم نائب کوتوال موقع پر پہونچ گیا۔ وہاں اس کو اس سازش کا پتہ چل گیا۔ اس نے ان میں سے جسقدر لوگ مل سکے ان کو گرفتار کر کے قید کیا۔ اور صبح کو واثق کے دربار میں لے گیا۔ واثق نے احمد بن نصر سے زیادہ گفتگو نہیں کی۔ صرف یہ پوچھا کہ تم قران کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا کہ وہ کلام اللہ ہے واثق نے حاضرین سے فتوے لے کر اس کو قتل کر دیا۔

پھر اس کے جسم کو سامرا میں سولی پر چڑھا دیا اور سر کو بغداد میں بھیجدیا۔ کان میں ایک رقعہ لٹکا دیا جسپر لکھا ہوا تھا

یہ احمد بن نصر مشرک اور گمراہ کا سر ہے جس کو امیر المومنین نے بغرض تقرب الٰہی خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔

مصر میں اُس وقت امام ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ بویطی نہایت ممتاز عالم اور امام شافعی کے شاگرد رشید تھے۔ واثق کو معلوم ہوا کہ وہ قران کو غیر مخلوق کہتے ہیں۔ اس نے والی مصر کے نام حکم بھیجا کہ ان سے قران کے مخلوق ہونے کا اقرار لو۔ وہ چونکہ امام مذکور کے ساتھ محبت اور حسن عقیدت رکھتا تھا اس لیے ان کو یہ خط سنا کر بہت سمجھایا اور کہا کہ آپ صرف میرے سامنے اقرار کر لیں تاکہ میں خلیفہ کو لکھدوں اور آپ اس مصیبت سے بچ جائیں۔ انھوں نے

کہا کہ میرے ماننے والے لاکھوں ہیں۔ ان سب کی ذمہ داری میرے اوپر ہوگی۔ والی نے مجبور ہوکر ان کو خلیفہ کے پاس بھیجدیا۔ اس نے قید کردیا۔ اسی قید میں ۲۳۱ھ میں وہ انتقال کرگئے۔

اس قسم کی سختیوں سے جمہور اس عقیدے میں اور بھی سخت ہوگئے۔ یہانتک کہ معتزلہ کا مذاق بھی اڑانے لگے۔ ایک بار عبادہ نے جو واثق کا ظریف الطبع درباری تھا اس سے کہا کہ جب قرآن مرجائے گا تو کیا ہوگا۔ واثق نے کہا کہ قرآن کیوں مرے گا۔ اس نے کہا کہ ہر مخلوق کے لیے فنا ہے۔ اور وہ بھی مخلوق ہی ایک دن ضرور مرے گا۔ پھر رمضان میں تراویح کیونکر پڑھی جائے گی۔ یہ سنکر واثق ہنس پڑا۔ اور کہا کہ بس بس۔

واثق بھی اپنی سختیوں سے تنگ آگیا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس ناگوار جھگڑے سے رہائی ملے۔ اس لیے کہ اس مسئلہ کی بدولت جمہور کے ساتھ مخالفت کی خلیج دن بدن وسیع تر ہوتی جاتی تھی اور نفع کچھ نہیں تھا۔

ایک دن ایک بڈھا آدمی اسی بارے میں پکڑ کر دربار میں لایا گیا ابن ابی دواد رئیس معتزلہ نے جو اس فتنہ کا اصلی بانی تھا اس سے سوال کیا کہ کیا قرآن مخلوق نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ اس کا جواب دینے سے پہلے میں خود تم سے سوال کرتا ہوں کہ اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم بھی جانتے تھے یا نہیں؟ ابن ابی دواد نے کہا کہ یقیناً جانتے تھے۔ اس نے کہا کہ پھر انھوں نے لوگوں سے اس کا اقرار لیا یا خاموش رہے۔ ابن ابی دواد نے کہا کہ خاموش رہے۔ اس نے کہا کہ جس امر میں یہ لوگ خاموش رہے کیا اس میں تمھارے لیے خاموشی کی گنجائش نہیں ہے؟ ابن ابی دواد چپ ہوگیا۔ واثق خوش ہوا۔ اس نے بڈھے کو چھوڑ دیا اور اسکے اس جملہ کو کہ کیا تمھارے

لیے اس میں خاموشی کی گنجائش نہیں ہے اپنی زبان سے کئی بار دُہرایا۔

ان وجوہات سے سختی کی آگ دھیمی پڑ گئی۔ ۲۳۲ھ میں جب **متوکل** خلیفہ ہوگیا تو اس نے یک قلم ان جھگڑوں کو موقوف کر دیا۔ اور لوگوں کو اُن کے عقیدوں پر چھوڑ دیا۔ جمہور اہل اسلام خوش ہو گئے۔

احوال خارجیہ

مامون کے ابتدائی عہد میں رومیوں سے کوئی جنگ نہیں پیش آئی۔ لیکن جب انھوں نے جابجا اسلامی سرحدوں پر حملے کرنے شروع کیے تو محرم ۲۱۵ھ مطابق مارچ ۸۳۰ء کو **اسحاق بن ابراہیم** کو اپنا قائم مقام کر کے بغداد سے فوجیں لے کر موصل کی طرف روانہ ہوا۔ اور منبج سے وابق وہاں سے انطاکیہ ہوتا ہوا طرسوس پہنچا۔ یہی سرحدی چھاونی تھی۔ جولائی کے مہینہ میں رومیوں کے ہاتھ سے قلعہ قرہ کو فتح کر کے ڈھا دیا۔ وہاں جسقدر رومی پکڑے گئے ان کو اپنی فوج سے ۶۵ ہزار دینار پر خرید کر آزاد کر دیا اور ہر ایک کو زاد راہ کے لیے ایک ایک اشرفی دے کر رخصت کیا۔ یہیں سے اپنے غلام **اشناس** کو قلعۂ سندس کی طرف بھیجا۔ اُس نے اس پر قبضہ کر کے وہاں کے رئیس کو قتل کیا۔

عجیف اور **جعفر** کو فوج کے ساتھ قلعہ سنان کے محاصرہ کے لیے روانہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے اطاعت قبول کر لی۔

ان فتوحات کے بعد وہ شام کی طرف واپس آیا۔ یہاں یہ خبر پہونچی کہ قیصر روم نے طرسوس اور مصیصہ کے ۱۶۰۰ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا اس لیے پھر روم کی طرف پلٹا۔ پہلے مقام انطیغو پر قبضہ کیا۔ **معتصم** کو فوج دے کر آگے بھیجا۔ اُس نے تیس قلعے

فتح کیے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو جماعت فقہا میں سے تھے وہ بھی ایک فوج لے کر طوانہ کی طرف گئے۔ اور اس کو تاخت و تاراج کر کے واپس آئے۔

ان فتوحات کے بعد مامون بکسوم ہوتا ہوا دمشق میں آیا۔ مصر میں چونکہ اضطرابات تھے اس لیے ۲۱۶ھ میں وہاں گیا۔ جابجا دورہ کر کے انتظام کو درست کیا۔

اہرام کے متعلق بعض لوگ یہ خیال رکھتے تھے کہ ان میں فراعنہ کے خزانے مدفون ہیں۔ اس خیال سے ان میں سے ایک کو کھدوایا لیکن کچھ مال برآمد نہ ہوا۔ اور صرفہ بہت پڑ گیا اس وجہ سے چھوڑ دیا۔ لیکن یہ خیال بے بنیاد نہ تھا۔ چنانچہ آجکل لکسر میں قدماء مصر کے قبرستان سے بے شمار قیمتی ذخائر برآمد ہوئے ہیں۔

مصر سے دمشق میں واپس آکر ۲۱۷ھ میں پھر روم پر فوج کشی کی۔ اور لولوہ کا جو بہت نامی اور مشہور قلعہ تھا محاصرہ کیا۔ عجیف کو وہاں چھوڑ کر آگے بڑھا۔ اس کو اہل قلعہ نے دھوکہ سے گرفتار کر لیا۔ لیکن آٹھ روز کے بعد چھوڑ دیا۔ اسی درمیان میں قیصر روم **توفیل** خود لشکر لے کر وہاں پہونچا۔ مامون نے جب اس کی آمد کی خبر پائی تو عجیف کی مدد کے لیے پلٹا۔ قیصر بھاگ گیا۔ اہل قلعہ نے امان طلب کی جو منظور کی گئی۔

جمادی الثانی ۲۱۸ھ میں مامون نے اپنے بیٹے عباس کو طوانہ میں متعین کیا کہ اس کو آباد کرے۔ اس نے ایک میل لمبا اور ایک میل چوڑا شہر آباد کیا۔ اور مختلف جنگ جو قوموں کو وہاں لاکر بسا دیا۔ فصیل تین میل مدور تھی۔ مامون رقہ میں آگیا۔ وہاں سے پھر روم کی طرف بڑھا۔ لیکن طرسوس میں پہونچکر انتقال کر گیا۔

اخلاق و عادات

مامون تمام خلفاء عباسیہ میں حلم و عفو میں بے نظیر تھا۔ درگذر میں اس کو ایسی لذت

ملتی تھی کہ اکثر خطاؤں کے بخشنے کے بعد وہ درگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کرنے کے لیے گر پڑتا تھا۔ خود اس کے دشمن بھی اگر اس کے سامنے آجاتے تھے تو وہ ان کو معافی دیدیتا تھا۔ یہانتک کہ فضل بن ربیع کے قصور کو بھی جو ان تمام لڑائیوں کا بانی تھا جو امین کے ساتھ ہوئی تھیں اس نے بخشدیا۔

زید بن علی کا بیان ہے کہ مامون ایکدن کھانا کھا رہا تھا۔ ندماء و اہل دربار سب دسترخوان پر تھے۔ اور سعید خطیب اس کے پس پشت کھڑا ہوا اس کے محامد بیان کر رہا تھا۔ یکایک مامون کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ کوئی رنج یا غم نہیں ہے۔ بلکہ دل میں اللہ تعالےٰ کے شکریہ کا ایک جذبہ پیدا ہوا جس کے باعث آنسو نکل پڑے۔ دیکھو یہ شخص (صحن میں فضل بن ربیع کی طرف اشارہ کرکے) ہارون کے زمانہ میں دربار میں کرسی زریں پر بیٹھتا تھا۔ اس کے اندازسے اسوقت بھی میری بدخواہی نمایاں تھی۔ لیکن اس کی بدگوئی اور چغلخوری سے ڈرکر میں اس کے ساتھ مدارات کرتا تھا اور یہ اگر میرے سلام کا جواب دیدیتا تھا تو میں خوش ہوجاتا تھا۔ ہارون کے بعد امین کو میرے خلاف اسی نے ابھارا۔ اور برادری کا رشتہ منقطع کراکے باہم لڑادیا۔ اور ریہ چاہا کہ مجکو گرفتار کرکے دست و پا بنا کر رکھے۔ اسکا بہترین سلوک میرے ساتھ یہ تھا کہ علی بن عیسٰے کو اس نے بجائے لوہے کے چاندی کی زنجیر دی تھی کہ میں اس میں مقید کرکے لایا جاؤں۔ آج میرے اوپر اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم یہ ہے کہ وہ ذلت و خواری کے ساتھ میرے غلاموں کی صف میں بیٹھا ہے۔

پھر اس سعید خطیب کو دیکھو جو کل منبر پر چڑھکر میری برائیاں کرتا تھا اور مامون کے بجائے اس نے میرا نام مافون رکھا تھا آج میری مدح ثنا میں اس طرح تر زبان ہے کہ

گویا حضرت عیسےٰ یا محمد علیہما السلام کی نعت خوانی کر رہا ہی۔

مامون کا قول تھا کہ لوگ اگر جانیں کہ عفو میں مجکو کسقدر مزا ملتا ہی تو میرے پاس گناہوں کے تحفے لائیں۔ لیکن مصر میں جو عجیب و غریب سختی اس نے کی کہ وہاں کے باغیوں کو باوجود اطاعت قبول کر لینے کے بھی صفر ۲۱۷ھ میں قتل کرا دیا اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو فروخت کر دیا یہ اسکی اس صفت پر ایک نہایت بدنما داغ ہی۔

مامون علم اور ادب میں بھی ممتاز تھا۔ اور علماء کی بیحد قدر دانی کرتا تھا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم متوفی ۲۴۲ھ کو جو اس زمانہ میں علوم ادبیہ و اسلامیہ میں وحید عصر تھے دن رات اپنی مصاحبت میں رکھتا تھا۔ اور وزراء سے بھی بالاتر اختیارات اُنکو دے رکھے تھے۔

ایک رات وہ مامون کے قریب سوئے ہوئے تھے۔ آدھی رات کے بعد انکو پیاس لگی۔ وہ اُٹھے۔ مامون نے پوچھا کہ کیا ہی۔ اُنھوں نے کہ پانی چاہیے۔ مامون خود جا کر صراحی اُٹھا لایا۔ اُنھوں نے کہا کہ کیا غلام نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا ضرورت ہی۔ سیّد القوم خادمہم۔

ان کا ادب اسقدر کرتا تھا کہ ایک رات جبکہ وہ اس کے قریب سوئے ہوئے تھے مامون پانی پینے کیلیے اٹھا۔ اس خیال سے کہ کہیں ان کی نیند نہ ٹوٹ جائے نہایت آہستہ آہستہ جا کر پانی پیا۔ پھر دبے پاؤں آکر پلنگ پر لیٹ گیا۔ قاضی صاحب بیدار تھے۔ صبح کو اُنھوں نے کہا کہ امیر المومنیں رات کو میں نے آپ کا طرز عمل دیکھا کہ آپ نے میری نیند کا کسقدر احترام کیا۔ حقیقت یہ ہی کہ اِنھیں اخلاق و آداب نے آپ کو بادشاہ اور ہم کو آپ کا غلام بنایا ہی۔

کرم اور فیاضی میں یہ ہارون سے بھی سبقت لے گیا۔ شاعروں اور ادیبوں کو ادنٰی ادنٰی باتوں پر ہزاروں اور لاکھوں درہم بخشدیتا تھا۔ اس کی قدردانیوں کی وجہ سے بغداد ہر قسم کے اہل وفن کا مرجع و مرکز بنا ہوا تھا۔

شان وشوکت میں بھی وہ اپنے آباء واجداد سے فوقیت رکھتا تھا۔ روزانہ دس ہزار درہم اس کے دسترخوان کا صرفہ تھا۔

اس زمانہ کی دولت وثروت اور جاہ وحشمت کا اندازہ کرنے کے لیے مامون کی ایک شادی کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

وزیر **ذوالریاستین** کے قتل کے بعد ۲۰۲ھ میں مامون نے اس کے بھائی حسن بن سہل کی بیٹی **بوران** کے ساتھ شادی کا ارادہ کیا۔ حسن کی طرف سے مقام فم الصلح میں بارات کے لیے انتظام کیا گیا۔ مامون مع اپنے اہل خاندان ارکان سلطنت وحشم وخدم کے گیا۔ ۱۹ دن تک وہاں جشن رہا۔ اور حسن کی طرف سے شاہانہ مہماں نوازی ہوتی رہی۔ اس نے کاغذ کے پرچوں پر گاؤں۔ گھوڑے۔ درہم۔ دینار کی رقمیں لکھ کر مشک میں انکی گولیاں بنا کر بنی ہاشم۔ امراء فوج اور اعیان سلطنت کے اوپر نثار کیں۔ اور اُن سے کہدیا کہ جس کے ہاتھ میں جو پرچہ پڑے اس میں جو کچھ لکھا ہو اس کو خزانچی سے وصول کرلے۔ عام لوگوں پر درہم ودینار اور مشک وغیرہ وغیرہ بکھیرا۔

مامون کے لیے ایک فرش مکلل بجواہر سونے کے تاروں سے بنوا گیا تھا۔ جب وہ اُس پر بیٹھا تو درہائے شاہوار نثار کیے گئے۔

اس تقریب میں حسن بن سہل نے پانچ کرور درہم صرف کیے۔ مامون جب وہاں سے واپس آنے لگا تو فم الصلح کو حسن کی جاگیر میں دیدیا۔ اور ایک کرور درہم نقد اور فارس اور

اہواز کا ایک سال کا خراج عطا فرمایا۔

مامون کے اخلاق میں سادگی اور وسعت تھی۔ بحثوں اور مناظروں میں لوگ سخت کلامی کر بیٹھتے تھے لیکن وہ برداشت کرتا تھا۔ جب اس کی رائے کسی معاملہ میں غلطی پر ہوتی تھی اور ارکان دولت میں سے کوئی اس کو آگاہ کر دیتا تھا تو وہ باز رہتا تھا۔ ایک بار اس نے فرمان لکھوایا کہ معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت بھیجی جائے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم کو جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے جاکر اس سے کہا کہ عوام اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ اس سے فتنہ برپا ہو جائے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ مذہبی عقیدہ میں ہر فرقہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ سیاست اور تدبیر ملکی کے لحاظ سے اس امر کا اظہار کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ خلیفہ کسی خاص فرقہ کی طرف میلان رکھتا ہے۔ مامون نے اس نصیحت کو سنکر فرمان کو روک دیا اور شائع نہیں کیا۔ لیکن دفتر میں مہر شدہ وہ محفوظ رہ گیا۔

اسی طرح شیعیت کے جذبہ میں ایک بار اس نے متعہ کے جواز کے اعلان کا حکم دیا۔ قاضی یحییٰ اس کے پاس گئے۔ اور کہا کہ متعہ تو زنا ہے۔ اس نے کہا کس دلیل سے۔ فرمایا کہ قرآن میں صرف بیویاں اور لونڈیاں مردوں کے لیے حلال کی گئی ہیں ممتوعہ عورت نہ بیوی ہے کہ اس کو میراث ملے نہ کنیز ہے کہ بیچی جا سکے۔ پھر اس سے تمتع کیونکر جائز ہو سکتا ہے مامون لاجواب ہو گیا اور اپنے ارادہ سے باز رہا۔

مامون اپنے ایک ایک متعلقین کے اندرونی اور خانگی نیز عام رعایا کے جزی سے جزی حالات سے باخبر رہتا تھا۔ اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ معاملات میں کوئی اس کو کسی قسم کا فریب دے سکے۔

شعرفہمی کا ذوق صحیح رکھتا تھا اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتا تھا۔ موسیقی کا بھی شائق تھا اور نبیذ پیتا تھا۔

وفات

۲۱۸ھ میں جب رقہ سے روم کی طرف فوج کشی کی تو مقام بدندوں میں پہونچکر اسکو بخار آیا۔ اور ۱۸ رجب کو وہیں انتقال کر گیا۔ لوگوں نے طرسوس میں لیجا کر اس کو دفن کیا۔ عمر ۴۸ سال کی تھی۔ مدت خلافت بیس سال پانچ مہینے تین دن رہی۔ اس میں سے ابتدائی چھ سال مرو میں گذارے۔

ولی عہدی

مامون نے صرف ایک ہی ولی عہد اپنے بھائی معتصم کو بنایا۔ اور اس غلطی میں نہیں مبتلا ہوا جو اس کے پیشرو خلفاء کرتے چلے آئے تھے۔

وفات کے وقت سلطنت کے اہم امور کے متعلق اس کو مفصل وصیت نامہ لکھوادیا۔

(۸) معتصم

ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید۔ اس کی ولادت ۱۷۹ھ میں ایک کنیز ماردہ نامی کے شکم سے ہوئی تھی۔ مامون کے زمانہ میں شام اور مصر کا والی رہا۔ شجاعت کی وجہ سے مامون اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ اسنے اپنے بیٹے عباس کو چھوڑ کر اس کو ولیعہد مقرر کیا۔

مامون کی وفات کے دوسرے دن ۱۹ رجب ۲۱۸ھ مطابق ۱۰ اگست ۸۳۳ء کو طرسوس میں اسکی خلافت کی بیعت ہوئی۔

سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ طوانہ کو جسے مامون نے آباد کرایا تھا منہدم کرا کے ان لوگوں کو جو وہاں بسائے گئے تھے اُن کے گھروں کو واپس کیا۔ اور جسقدر ذخائر اور اسلحہ وہاں جمع کیے گئے تھے ان سب کو اپنے ساتھ لایا۔ اور جو نہیں لا سکا اس کو جلا دیا۔ ۳۰ شعبان کو بغداد میں پہونچا۔

وزارت

معتصم کا پہلا وزیر **فضل** بن مروان بن ماسرخس تھا۔ یہ شخص مذہبًا عیسائی تھا۔ معتصم کی شہزادگی میں اسکے کاتب یحییٰ جرمقانی کے دفتر میں آکر ملازم ہوا تھا۔ چونکہ حساب کتاب میں ماہر اور خوشنویس تھا اس لیے یحییٰ کے بعد معتصم نے اسی کو سر دفتر کر دیا۔

طرسوس میں جب اس کی خلافت کی بیعت ہوئی تو فضل مذکور نے جو بغداد میں اسکا کارپرداز تھا اہل بغداد سے اس کے لیے بیعت لی۔ اور سلطنت کے انتظام کو سنبھالا۔ معتصم نے دار الخلافہ پہونچنے کے بعد اسی کو وزیر بنا لیا۔ اور تمام ملکی معاملات اس کے سپرد کر دیے۔

فضل نے بوجہ قدامت کے معتصم پر غلبہ پا لیا۔ اور مستبدانہ روش اختیار کی۔ یہانتک کہ اس کے احکام کی بھی پروا نہیں کرتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات خود معتصم اپنے اخراجات کے لیے اس سے مال طلب کرتا تھا اور وہ نامنظور کر دیتا تھا۔

اہل غرض نے معتصم کو اس کے خلاف اُکسایا۔ اس نے فضل کے استبداد کو روکنے کے لیے دو وزیر اور مقرر کیے۔ احمد بن عمّار کو اخراجات کا دفتر اور نصر بن منصور کو خراج کا محکمہ سپرد کیا۔ فضل نے ان کی مخالفت پر کمر باندھی۔ اور جھگڑے نے طول کھینچا معتصم نے حساب کی جانچ کرائی تو اس کے ذمہ بے شمار رقم برآمد ہوئی۔ اس غبن کی وجہ

سے اس سے دس لاکھ دینار نقد وصول کیے۔ نیز اس کا سارا اثاثہ جو اسیقدر قیمت کا تھا ضبط کرلیا۔ اور موصل کے راستہ میں ایک گاؤں سن میں اس کو قید کر دیا۔

احمد بن عمار و ابن زیات

فضل کے بعد وزارت عظمیٰ احمد بن عمار کو ملی۔ لیکن اسکی ادبی لیاقت محدود تھی۔ اس لیے معتصم نے اس کو برطرف کر کے ابن زیات کو مقرر کیا۔ اس کا نام **محمد بن عبدالملک** بن ابان بن حمزہ تھا۔ ابان ایک دیہاتی شخص تھا جو دسکرہ میں رہتا تھا۔ اور وہاں سے تیل بغداد میں لاکر بیچتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ **زیات** کے لقب سے مشہور تھا۔ محمد نے بغداد میں علم و ادب حاصل کیا۔ اور شہرت پائی۔ **ابو عثمان** مازنی جو نحو کے امام تھے ان کو جب کسی مسئلہ میں دشواری پیش آتی تھی تو اس سے حل کراتے تھے۔ پہلے یہ دیوان خلافت میں کاتب تھا۔ احمد بن عمار وزیر نے ایک بار معتصم کے سامنے ایک کاغذ پیش کیا جس میں کلاء کا لفظ تھا۔ اس نے پوچھا کہ کلاء کس کو کہتے ہیں۔ احمد کو خود اس کا علم نہیں تھا معتصم نے کہا کہ خلیفہ امی اور وزیر جاہل پھر کام کیسے چلے۔ حکم دیا کہ دفتر سے کسی کاتب کو بلاؤ۔ ابن زیات بلایا گیا۔ اس نے اس کے معنی بتائے اور گھاس کی جتنی قسمیں ہیں اور ان کے لیے جو جو الفاظ ہیں ان سب کی تشریح کر دی معتصم اس کی لیاقت سے خوش ہوا۔ اور قلمدان وزارت اس کے سپرد کر دیا۔ یہ معتصم۔ واثق بلکہ متوکل کے زمانہ تک اس عہدہ پر رہا

ابن ابی دواد

احمد بن ابی دواد ایادی اگرچہ وزیر نہیں تھا لیکن وزراء سے زیادہ اثر اور رسوخ رکھتا تھا۔ معتصم کے دربار میں اس کا وہی رتبہ تھا جو مامون کے یہاں قاضی یحییٰ بن اکثم کا تھا یہ قنسرین کے ایک گاؤں کا باشندہ تھا۔ اور اس کا خاندان تجارت پیشہ تھا۔ ۱۶۰ھ

یں اسکی ولادت بصرہ میں ہوئی۔ وہیں اس نے تعلیم و تربیت پائی۔ پھر بغداد میں آیا۔ اور قاضی یحییٰ بن اکثم کی مجلسوں میں شریک ہونے لگا اُنھوں نے مامون کے حسب الحکم جب محفل مناظرہ کے لیے علمار کا انتخاب کیا تو اس میں اس کو بھی شامل کیا۔ اس کی بحث مامون کو بہت پسند آتی تھی۔ اس لیے وہ اس کی قدر کرتا تھا۔ وفات کے وقت معتصم کو بھی وصیت کر گیا کہ اس کو اپنے ہر مشورہ میں شریک رکھنا۔ چنانچہ معتصم ابن ابی دوٗادؔ کی کسی بات کو مسترد نہیں کرتا تھا۔ اور جس امر کی وہ سفارش کرتا تھا اس کو منظور کر لیتا تھا۔

ایک بار یہ واقعہ پیش آیا کہ معتصم کے سپہ سالار اعظم افشین نے ایک عربی امیر ابو دلف قاسم بن عیسےٰ عجلی پر از راہ عداوت خون کا الزام قائم کر کے چاہا کہ اس کو قصاص میں قتل کر دے۔ ابن ابی دوٗاد کو یہ خبر معلوم ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اگر میں اسوقت خلیفہ کے پاس جاتا ہوں تو دیر ہو جانے کی وجہ سے معاملہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اس لیے فوراً سوار ہو کر افشین کے یہاں پہونچا۔ دیکھا کہ جلاد تلوار لیے ہوئے ابو دلف کو قتل کرنے کے واسطے تیار ہی ہے۔ جلدی سے آگے بڑھ کر افشین سے کہا کہ مجکو امیر المومنین نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم ابو دلف کو قتل نہ کرو بلکہ میرے سپرد کر دو۔ پھر حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے امیر المومنین کا حکم ایسے وقت جبکہ ابو دلف صحیح و سالم موجود ہی پہونچا دیا۔ سب نے کہا کہ ہم شاہد ہیں۔ اس کے بعد وہ معتصم کے پاس گیا۔ اور سارا ماجرا سنا کر کہا کہ تنگیِ وقت کے باعث میں نے دریافت کیے بغیر یہ جرأت اس لیے کی کہ مجھے آپ کی حسن نیت پر کامل اعتماد تھا۔ معتصم نے اس کی کارروائی کو پسند کیا۔ آدمی بھیجکر ابو دلف کو بلایا۔ اور اس کو رہا کر کے انعام بخشا۔ پھر افشین کو طلب کیا۔ اور سختی کے ساتھ توبیخ

کی کہ بلا اجازت خلیفہ کے تم خود کس قانون سے قصاص لینے کا حق رکھتے ہو۔

ایک بار معتصم خالد بن یزید بن مزید شیبانی سے اس بات پر سخت ناراض ہوا کہ وہ اپنی ولایت کا خراج نہیں بھیجتا۔ اس کو طلب کیا اور سزا دینی چاہی۔ ابن ابی دؤاد نے سفارش کی۔ لیکن معتصم نے نہیں مانا اور غصہ میں خاموش رہا۔ یہ دیکھکر ابن ابی دؤاد اپنی کرسی چھوڑ کر پائین فرش پر جا بیٹھا۔ معتصم نے جب اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ مقربین میں اس شخص کا بیٹھنا مناسب نہیں جس کی سفارش نہ سنی جائے۔ اس نے کہا کہ تم اپنی جگہ پر آؤ تمھاری سفارش سُنی جائے گی۔ وہ خوش ہوکر اپنی کرسی پر جاکر بیٹھا۔ اور کہا کہ اس بات کا بھی اظہار ہونا چاہیے کہ امیرالمومنین نے اس کو اپنی خوشی سے چھوڑا ہے۔ معتصم نے خالد کو ایک خلعت اور چھ مہینہ کی تنخواہ عطا کر کے رخصت کیا۔

خالد چونکہ ممتاز رؤساء عرب میں سے تھا اسوجہ سے اس کی گرفتاری اور مصادرہ کی خبر سنکر بہت سے لوگ محل خلافت کے دروازہ پر آکر جمع ہوگئے تھے۔ خلاف توقع جب وہ شاہی خلعت پہنکر نکلا تو سب نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے عرب کے سردار کو رہائی بخشی۔ خالد نے کہا کہ خاموش۔ عرب کا سردار میں نہیں ہوں بلکہ احمد بن ابی دؤاد ہے۔

معتصم کے عہد میں ترکوں کی کثرت کی وجہ سے عربی امراء جو برائے نام باقی رہ گئے تھے ان کی عزت صرف اسی ابن ابی دؤاد کی وجہ سے قائم تھی۔ کیونکہ اس کے اندر عربی عصبیت تھی اور وہ ان کا بہت خیال رکھتا تھا۔

علوم فقہیہ میں ممتاز اور فن کلام میں ہیاج بن علاء سلمی اور واصل بن عطا غزال کبیر کا شاگرد تھا۔ اسی وجہ سے مذہبًا معتزلی تھا۔ ائمہ اہل سنت پر مامون اور معتصم

وغیرہ کے زمانہ میں جو سختیاں ہوئیں ان سب کا محرک یہی تھا۔ اور مسئلہ خلق قرآن میں نہایت غلو رکھتا تھا۔

علویہ

معتصم کے آغاز عہد میں شیعہ امامیہ کے امام نہم محمد جواد نے ۲۵ سال کی عمر میں سنہ ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے نکاح میں مامون کی بیٹی ام الفضل تھی۔ بیوہ ہوجانے کے بعد وہ اپنے چچا معتصم کے یہاں آگئی۔ امام محمد جواد کے بیٹے ابوالحسن علی ہادی کی عمر اسوقت سات سال کی تھی۔ شیعہ نے اُنھیں کو اپنا امام بنایا۔

زیدیہ جماعت کے امام محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن امام زین العابدین تھے۔ اُنھوں نے کوفہ سے طالقان میں جاکر اہل خراسان سے اپنی امامت کی بیعت لینی شروع کی۔ یہاں تک کہ ایک کثیر جماعت اس اطراف کی اُن کے ساتھ ہوگئی۔ اُنھوں نے علی الاعلان اپنی امامت کا جھنڈا کھڑا کردیا۔ امیر خراسان عبداللہ بن طاہر نے ان کے مقابلہ کے لیے فوج بھیجی اُنھوں نے شکست کھائی۔ اور وہاں سے دوسری سمت کو روانہ ہوگئے۔ راستہ میں نسا میں قیام کیا۔ اس ضلع کے عامل کو پتہ مل گیا اس نے گرفتار کرکے عبداللہ بن طاہر کے پاس بھیج دیا۔ اُس نے معتصم کے یہاں روانہ کیا۔ معتصم نے سنہ ۲۱۹ھ میں سامرا میں ان کو قید کردیا۔ عید کی شب کو جبکہ لوگ خوشی میں مشغول تھے وہ چند آدمیوں کی مدد سے قیدخانہ سے نکل کر غائب ہوگئے۔ اور پھر اُن کے وجود کا کوئی سراغ نہیں لگ سکا۔ زیدیہ کی ایک جماعت اس بات کا اعتقاد رکھتی تھی کہ وہ امام مہدی ہیں۔ اور زندہ غائب ہوگئے ہیں۔ جب دنیا ظلم و ستم سے بھر جائیگی تو پھر ظاہر ہوکر اس کو عدل و انصاف سے معمور کردیں گے۔ مسعودی کے بیان کے مطابق سنہ ۳۳۲ھ تک اس عقیدے کے لوگ موجود تھے۔

فوج

معتصم خود فوجی آدمی تھا اس وجہ سے اس کی توجہ فوج کی طرف زیادہ منعطف ہوئی۔ اس نے ترکوں کی بہادری اور شجاعت کو دیکھ کر ان کی ایک کثیر تعداد فراہم کی۔ اور ہزاروں ترکی غلام خریدے۔ اب ایرانیوں اور خراسانیوں کے ساتھ فوج کا غالب عنصر ترکی ہو گیا۔ عرب اس کے دفتر سے خارج کر دیے گئے۔ صرف اہل مصر و یمن کی جس میں بنی قیس کے بھی کچھ لوگ تھے مغاربہ کے نام سے ایک فوج باقی رکھی گئی۔

فرغانہ اور اشروسنہ کے ترک اس قدر وحشی خو اور جاہل مزاج تھے کہ بغداد کی سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے جس سے اکثر عورتیں اور بچے وغیرہ ٹکرا کر زخمی ہوتے تھے اور کبھی کبھی مر بھی جاتے تھے۔ خراسانی سپاہی ان کو پکڑ کر سزائیں دیتے تھے۔

یہ جھگڑے زیادہ بڑھے۔ اور معتصم کے پاس شکایتیں پہنچیں۔ اس نے یہ مناسب سمجھا کہ ایک نئی چھاؤنی بنا کر اس جدید لشکر کو وہاں رکھے۔ چنانچہ سامرا آباد کیا۔

معتصم ترکوں کا ایسا قدردان تھا کہ اس نے ان کے لباس کو دوسری فوجوں کے لباس سے ممتاز رکھا۔ ان کا ملبوس ریشمی ہوتا تھا جس پر طلا کاری کی جاتی تھی۔ اور پیٹیاں سنہری تھیں۔ اس نے انہیں میں سے چند رؤسا کو سپہ سالاری کے مناصب عطا کیے اور خلافت اسلامیہ کا مستقبل ان کے ہاتھ میں دیدیا۔ ذیل میں ان میں سے بعض کا حال لکھتے ہیں۔

(۱) **افشین**۔ اس کا نام حیدر بن کاؤس تھا۔ اور یہ اشروسنہ کے بادشاہ کا بیٹا تھا جس کا خاندانی لقب **افشین** تھا۔ مامون کے عہد میں معتصم کے پاس آ کر ملازم ہوا۔ چونکہ اس میں شجاعت اور شہامت تھی اس لیے معتصم نے اپنی ولایت مصر و شام کے

زمانہ میں اس سے فوجی کام لیے۔ برقہ میں ایک بار بغاوت کی شورش اٹھی تھی اس کو اسی نے جا کر دبایا تھا۔

خلیفہ ہو جانے کے بعد جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں معتصم نے اس کو بابک خرمی کے مقابلہ پر متعین کیا۔ وہاں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور اس کو مع زن و بچہ کے گرفتار کرکے لایا۔ معتصم اس سے اسقدر خوش ہوا کہ جب اس کو واپسی کا حکم بھیجا تو روزانہ ہر منزل پر اس کے لیے گھوڑا اور جوڑا بھیجتا تھا۔ اور جسوقت سامرا میں پہونچکر دربار میں داخل ہوا اسوقت دو عدد مالائے مروارید اس کے گردن میں ڈالیں اور دس لاکھ درہم اس کو اور دس لاکھ درہم اس کی فوج کو انعام دیا۔

معتصم نے جسوقت روم پر یورش کی اسوقت فوج کے تین حصے کیے تھے۔ اُن میں سے اس حصہ کا سپہ سالار جس نے قیصر روم توفیل کو شکست دی تھی یہی افشین تھا۔ اس فتح سے اس کا درجہ اور بھی بڑھ گیا۔

اب اپنی عظمت و شوکت کو دیکھ کر اس کے دل میں یہ ہوس پیدا ہوئی کہ میں کسیطرح اپنے ملک یعنی بلاد ماوراء النہر کی مستقل بادشاہت حاصل کروں۔

اس کا اظہار اس طرح پر ہوا کہ بابک کی لڑائی میں نیز اس کے بعد بھی اس کو جو کچھ صلے اور انعامات ملتے تھے وہ ان کو اپنے خاص آدمیوں کے ہاتھ اپنے ملک میں بھیجتا تھا۔ راستہ میں خراسان تھا جہاں کا والی عبداللہ بن طاہر جیسا بیدار مغز آدمی تھا۔ وہ ان آدمیوں کا جائزہ لے کر خلیفہ کو ساری کیفیت سے مطلع کرتا رہتا تھا۔ افشین کو بھی اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ جب تک عبداللہ خراسان میں موجود ہے مجکو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی اس لیے اس فکر میں پڑا کہ کسی صورت سے معتصم کو اس سے برگشتہ خاطر کرا دے تاکہ وہ اس کو

معزول کر کے مجھے اُس کی جگہ پر مقرر کرے۔

اس زمانہ میں طبرستان میں مازیار نامی ایک نامور رئیس تھا جو خاندان طاہر کا سخت دشمن تھا۔ وہ باوجود ماتحت ہونے کے اپنا خراج خراسان کے خزانہ میں نہیں داخل کرتا تھا بلکہ براہ راست خلیفہ کے پاس بغداد میں بھیجتا تھا۔ بیت المال خلافت سے وہ رقم وکیل ولایت خراسان کے حوالہ کی جاتی تھی۔ اور اس کی رسید لی جاتی تھی۔

افشین نے یہ سوچا کہ مازیار کو عبداللہ کے مقابلہ میں اُٹھا دے۔ تاکہ اس شورش کو فرو کرنے کے لیے خلیفہ خراسان کی ولایت کا فرمان مجکو دے کر اسطرف روانہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی خاشش کے نام اور قلم سے مازیار کے بھائی قوہیار کے پاس خطوط بھیجنے شروع کیے۔ جن میں اس کو عبداللہ سے بغاوت کرنے کی ترغیب دلائی۔ وہ دونوں بھائی یہ اشارہ پاکر سرکشی پر آمادہ ہوگئے۔ خراج روکدیا۔ اور طبرستان کے ایک کوہستانی مقام میں قلعہ گیر ہو گئے۔

عبداللہ نے اپنے چچا حسن بن حسن بن مصعب کو ایک فوج گراں کے ساتھ جرجان کی طرف روانہ کیا کہ باغیوں کے دستبرد سے اس کو محفوظ رکھے معتصم نے بھی محمد بن ابراہیم بن مصعب کو بھیجا۔ پھر حسن بن قارن طبری سپہ سالار کو اس کی کمک کے لیے روانہ کیا۔ اور منصور بن حسن عامل دنباوند کو لکھا کہ تم رے کی طرف سے طبرستان پر فوج کشی کرو۔ افشین جیسا کہ اس کا خیال تھا اس مہم کے لیے نہیں طلب کیا گیا۔

مازیار کو جب چاروں طرف سے فوجوں نے محصور کر لیا تو اُس نے امان طلب کی۔ اور حسن بن حسن کے پاس حاضر ہو گیا۔ اس نے اس کو اپنے چچازاد بھائی محمد بن ابراہیم کے حوالہ کیا۔ وہ اس کو لے کر خلیفہ کے پاس گیا۔ وہاں مازیار نے اصل حقیقت بیان

کردی۔ اور اس کے بھائی نے افشین کی طرف سے جو خطوط گئے تھے ان سب کو خلیفہ کے سامنے رکھدیا۔ ان کے پڑھنے سے کھل گیا کہ یہ ساری کارروائی افشین کی تھی۔ اور گو ظاہر میں وہ مسلمان ہی لیکن باطن میں ابتک اپنے آبائی دین پر قائم ہی۔ اور مسلمانوں کو مٹانے کی تدبیر میں مصروف ہی۔ کیونکہ ان خطوط میں سے ایک خط کا مضمون یہ تھا۔

اب اس عجمی دینِ روشن کی مدد کرنے والا میرے اور تمھارے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا ایک بابک تھا مگر اس نے جہالت سے اپنے آپ کو ضائع کیا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس کو تباہی سے بچاؤں لیکن وہ حماقت سے میرے مشوروں پر عمل پیرا نہ ہوا۔

اب اگر تم بغاوت کر دوگے تو چونکہ سارے جنگ آور سپاہی اور شہسوار میری ہی فوج میں ہیں اسلیے لامحالہ تمھارے مقابلہ کے لیے یہ لوگ مجھ ہی کو بھیجیں گے۔ اسوقت ہم سے لڑنے کی کسی کو طاقت نہو گی کیونکہ عرب کی مثال تو کتے کی ہی۔ ان کے سامنے ٹکڑا ڈالدو اور لٹھ سے ان کا سر کچل دو۔ رہے مغاربہ۔ وہ بہت تھوڑے ہیں۔ اور یہ شیطانوں کے بچے (خراسانی) گھڑی بھر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جہاں ان کے تیر ختم ہوئے پھر ان کے اوپر حملہ کر کے سب کو قتل کر دو۔ اس کے بعد یہ دین قدیم اپنی اصلی حالت پر آجائے گا۔

اس خط سے افشین کی بے دینی اور بدنیتی پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی۔ قاضی احمد بن ابی دوادؔ نے خلیفہ کے غلام بغا کو حکم دیا کہ افشین کو قید میں رکھو۔ چند دنوں کے بعد وہ قید میں مر گیا اس کی نعش سولی پر لٹکا دی گئی۔ پھر اس کو اسی لکڑی کے ساتھ جلا دیا۔

(۲) ایتاخ۔ یہ بلاد خزر کا باشندہ اور سلّام ابرش کا غلام اور باورچی تھا۔ سنہ ۱۹۹ھ میں معتصم نے اس کو خرید لیا اور اسحاق بن ابراہیم کا مددگار مقرر کر دیا۔

معتصم کو اس پر بہت اعتماد تھا۔ جب وہ کسی کو قید یا قتل کرنا چاہتا تھا تو اسی کے حوالہ

کرتا تھا۔ روم کے حملہ میں ایک حصہ فوج کا امیر اس کو بنایا۔ معتصم کے زمانہ میں برابر اپنے عہد پر قائم رہا۔ اور واثق کی خلافت میں مختار کل ہو گیا۔ دار الخلافہ کی ولایت۔ فوج کی امیر الامرائی۔ برید اور حجابت کے عہدے سب اس کے پاس تھے۔ ۲۳۵ھ میں متوکل کے ابتدائی عہد میں قتل کیا گیا۔

(۳) **اشناس**۔ یہ بھی معتصم کا ایک زر خرید غلام تھا۔ اس کی بہادری کو دیکھکر جنگ عموریہ میں معتصم نے اس کو مقدمۃ الجیش پر متعین کیا۔ وہ اس کا ایسا قدردان تھا کہ ۲۲۵ھ میں اپنے سامنے دربار میں زریں کرسی پر بٹھا کر اس کو تاج پہنایا۔ اس کی بیٹی **اترنجہ** کی شادی افشین کے بیٹے حسن کے ساتھ خود اپنے اہتمام سے کی۔

واثق نے بھی ۲۲۸ھ میں اس کو تاج مرصع بخشا اور دو مالائے مروارید عطا کیں۔ یہ برابر اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ اور ۲۳۰ھ میں انتقال کر گیا۔

ان کے علاوہ **عجیف** بن عنبسہ۔ **وصیف** اور **بغا** کبیر ابو موسےٰ وغیرہ بھی مشہور امراء فوج میں سے تھے۔ یہ سب کے سب ترک تھے۔ معتصم نے عربوں کو فوج سے نکالکر اپنی اولاد اور سلطنت کو اس بیرونی عنصر کے قبضہ میں کر دیا۔ کبھی کبھی وہ خود جب اسکے حالات کو دیکھتا تھا۔ اور اُن کی خود غرضی اور استبداد پر نظر ڈالتا تھا تو اپنی غلطی محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ ایک بار اُس نے اسحاق بن ابراہیم سے کہا بھی کہ میں نے چار شخصوں کی تربیت کی لیکن ان میں سے کوئی بھی کام کا نہ نکلا۔ افشین کا جو حال ہوا وہ ظاہر ہی اشناس سست اور بیکار رہی۔ ایناخ سے کچھ توقع نہیں۔ اور وصیف کسی رخنہ کو بند نہیں کر سکتا۔

اسحاق نے کہا کہ یہ لوگ نہ کسی معزز خاندان کے ہیں نہ قبیلہ کے کہ ان کو اپنے باپ دادا کے ننگ و ناموس کا خیال ہو ان کی مثال ان شاخوں کی ہی جو بے اصل ہوتی ہیں۔

اور شاذ و نادر ہی برگ و بار لاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد سے بنی عباس پر جو زوال آیا۔ اور اُن کی خلافت کمزور ہوتی چلی گئی یہانتک کہ مٹ گئی۔ اس کی ساری ذمہ داری معتصم پر ہے جس نے بے سوچے سمجھے خلافت اسلامیہ کے مستقبل کو امراء عرب کے ہاتھوں سے نکال کر غلاموں کے سپرد کر دیا جو صرف اپنے عارضی اور دنیاوی فائدہ کے خواہاں تھے نہ ان کو قومی ناموس کا خیال تھا۔ نہ بقائے خلافت کی فکر تھی۔ نہ اصول اسلام کی حقیقت سے آگاہی تھی۔ نہ وہ امت کے حقوق کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے فلسطین میں ابو حرب میرقع یمانی کی بغاوت ظہور پذیر ہوئی۔

صورت یہ ہوئی کہ ایک ترکی سپاہی نے اس کے گھر میں ٹھہرنا چاہا۔ وہ اسوقت موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی نے سپاہی کو اندر آنے سے روکا۔ اس نے اس عورت کو کوڑا مارا۔ جب ابو حرب آیا تو اس کی بیوی نے اس سے کیفیت بیان کی اور کوڑے کی مار کا نشان دکھلایا۔ وہ اشتعال میں تلوار لے کر اس سپاہی کی طرف بڑھا۔ اور اس کو قتل کر کے روپوش ہو گیا۔ اور منہ پر نقاب ڈالکر اردن کے پہاڑوں میں جا کر رہنے لگا۔ وہاں ایک عرصہ تک لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت دیتا رہا۔ یہانتک کہ اس نواحی کے کاشتکار اس کی مظلومیت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہو گئے۔ ان کو لے کر وہ یمن کی طرف پہونچا۔ یہاں کے بھی بعض رؤسا، خاص کر ابن بیہس نے جو میر قبائل تھا اس کی حمایت کی۔ معتصم نے رجاء بن ایوب کو ایک ہزار فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا۔ رجاء نے دیکھا کہ ابو حرب کے ساتھ ایک لاکھ سے بھی زیادہ جمعیت ہے۔ اس لیے وہ رُک گیا۔ جب زراعت کاٹنے کا وقت آیا۔ اور ابو حرب کے ساتھی اپنے اپنے کھیتو

کاٹنے کو چلے گئے۔ اور اس کے پاس صرف دو ڈھائی ہزار آدمی رہ گئے تو رجاء نے حملہ کیا۔ اور سب کو پکڑ کر دربار میں لایا۔

محاصل

جس طرح عہد ماموُنی کی آمدنی کو اس زمانہ کے کاغذات سے نقل کر کے علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ثبت کر دیا ہے اسی طرح معتصم کے عہد کے کل مالیہ کو قدامہ بن جعفر نے کتاب الخراج میں تفصیل وار لکھا ہے۔ دونوں زمانے چونکہ بالکل متصل تھے اس لیے کوئی زیادہ تغیر اس میں نہیں ہوا۔ اور میزان تقریباً وہی رہی جو مامون کے عہد میں تھی۔ اسی وجہ سے ہم نے اس کا یہاں نقل کرنا بھی ضروری نہیں خیال کیا۔

احوال خارجیہ

معتصم کا ہم عصر روم میں قیصر توفیل تھا جو مامون سے شکست کھا چکا تھا۔ اس کینہ کی وجہ سے وہ اسلامی سرحد پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔

جب معتصم کی فوجیں بابک کی مہم میں مشغول تھیں تو بابک نے توفیل کو لکھا کہ اسلامی فوج کا بڑا حصہ اسوقت میرے مقابلہ میں مصروف ہے۔ اگر ایسے موقع پر تم چڑھائی کر دو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر رومی بڑھے تو میرے اوپر سے بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

توفیل نے ایک لاکھ آدمی لے کر چڑھائی کی۔ زبطرہ میں پہونچکر آگ لگا دی اور وہاں کے مسلمانوں کو قتل کیا۔ پھر ملطیہ کی طرف بڑھا۔ وہاں ایک ہزار مسلمان عورتوں کو گرفتار کیا۔ اس نواح میں جتنے قلعے اور آبادیاں تھیں سب کو لوٹا اور جو مسلمان اس کے ہاتھ لگا اس کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر دی۔ اور اس کے اعضا کاٹ کر

اس کو مار ڈالا۔

معتصم کے پاس جسوقت یہ اطلاعات موصول ہوئیں وہ بیتاب ہو کر چیخ اٹھا۔ اُسی وقت نفیرِ عام کا حکم دیا۔ مقدمۃ الجیش کو فوراً روانہ کیا۔ اور اپنی روانگی کی تیاری میں مصروف ہوا۔ طلایہ لشکر جسوقت زبطرہ میں پہونچا اسوقت رومی قتل و غارت کر کے جا چکے تھے۔ اب وہاں کے مسلمانوں کو اطمینان ہوا۔ اور وہ جابجا سے آ آ کر پھر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو گئے۔

بابک کی مہم سے فراغت کے بعد معتصم نے درباریوں سے پوچھا کہ رومیوں کا سب سے مضبوط قلعہ کونسا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عموریہ۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں توفیل پیدا ہوا تھا۔ معتصم نے کہا کہ زبطرہ میرا مولد ہے توفیل نے اس کو لوٹا ہے تو میں عموریہ کو غارت کرونگا اس نے اپنے عظیم الشان لشکر کو ہر قسم کے ساز و سامان سے درست کر کے روم پر فوج کشی کی۔ فوج کی ترتیب یہ تھی۔

مقدمہ لشکر پر اشناس اور پھر محمد بن ابراہیم بن مصعب۔ میمنہ پر ایتاخ میسرہ پر جعفر بن عبداللہ خیاط۔ قلب میں خود معتصم تھا۔ افشین کو ایک فوج دے کر کہا کہ تم الحدث کے راستے سے فلاں روز انگورہ پہونچو۔ اسی طرح اشناس کو بھی حکم دیا کہ اسی روز تم طرسوس کی طرف سے رومی سرحد میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن اشناس جب مرج اسقف میں پہونچا تو وہاں اس کو معتصم کا حکم ملا کہ ٹھہر جاؤ۔ کیونکہ تمہارے سامنے قیصر ہے اور وہ دریائے لامس کو عبور کر کے اچانک حملہ کرنے کی تیاری میں ہے۔ اشناس نے وہاں تین دن توقف کیا۔ اس کے بعد اس کے جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ قیصر یہاں سے آگے بڑھ گیا اور اب وہ افشین کی فوج پر حملہ کرے گا۔ اس نے فوراً معتصم کو اطلاع

دی۔ معتصم نے افشین کے پاس ناقہ سوار دوڑایا کہ قیصر تمھاری گھات میں ہے۔ تم رُک جاؤ۔ جب ساری فوجیں ایک ساتھ مل جائیں تو پیشقدمی کریں۔

لیکن افشین کو یہ اطلاع نہیں پہونچنے پائی۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ قیصر سے مقابلہ ہوا۔ نہایت ہولناک معرکہ پیش آیا۔ دوپہر تک اسلامی فوج نے نقصان اُٹھایا۔ لیکن اس کے بعد جب ترکی سوار حملہ آور ہوئے تو رومیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور وہ شکست فاش کھاکر بھاگے۔ افشین اس فتح کے بعد انگورہ کی طرف چلا! ور وہاں معتصم اور اشناس کے ایک روز بعد پہونچا۔

قیصر اپنی متفرق اور ہزیمت خوردہ فوج کو جمع کرکے پھر تیار ہوا۔ معتصم نے اپنی فوج کے تین حصے کیے اور عموریہ کی طرف ان کو بڑھایا۔ میمنہ افشین کی ماتحتی میں تھا اور میسرہ اشناس کی۔ قلب میں خود معتصم تھا۔

عموریہ انگورہ سے سات منزل پر تھا۔ پہلے وہاں اشناس پہونچا۔ اس نے اپنی فوج کے ساتھ فصیل کا پورا چکر لگایا اور دو میل کے فاصلہ پر فروکش ہوگیا۔ ۶ رمضان ۲۲۳ھ کو معتصم پہونچا۔ اُس نے بھی دورہ کرکے دوسری جانب اسی قدر فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا۔ پھر افشین آیا اس نے بھی یہی کیا۔

اسلامی فوج کے ہر حصہ کے پاس لکڑی کے بڑے بڑے برج تھے۔ ان کو ہر طرف سے عموریہ کی فصیل کے متصل لاکر لگادیا۔ اور ان پر سے تیر باری شروع کی قلعہ شکن آلات اور منجنیقیں نصب کرکے بڑے بڑے پتھر پھینکنے شروع کیے۔ جس کے صدمہ سے ایک جانب کی شہر پناہ ٹوٹ گئی۔ خندق کو پاٹ کر مسلمان اس طرف سے شہر میں گھسے اور سخت جدال وقتال کے بعد اندر داخل ہوگئے۔

زبطرہ اور ملطیہ میں رومیوں نے جسقدر مسلمانوں کی خونریزی کی تھی اُن کا یہاں انتقام مل گیا۔ اور مال غنیمت اسقدر کہ جس کا شمار مشکل تھا۔

اس محاصرہ او فتح میں کل پچپن دن صرف ہوئے۔

اسی حالت میں جبکہ اسلامی فوج دشمنوں کے ملک اور مقابلہ میں جہاد میں مصروف تھی یہ افسوسناک معاملہ پیش آیا کہ شاہزادہ عباس بن مامون نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے عجیف بن عنبسہ سے مل کر چند ترکی امراء کو اپنے ساتھ اس بات پر متفق کیا کہ معتصم کو قتل کرا کے خود خلیفہ ہو جائے۔ لیکن اس سازش کا راز کھل گیا۔ معتصم نے ان تمام امرا کو جو اس میں شریک تھے قتل کر ڈالا۔ اور عباس کو قید کر دیا۔ وہ قید کی سختی میں ہلاک ہو گیا۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد معتصم دار الخلافہ کی طرف پلٹا۔ جس دن سامرا میں داخل ہوا اسدن وہاں بہت بڑا جشن ہوا۔ دربار میں شعراء نے اسکی مدح میں قصائد سنائے۔

صفاتِ معتصم

معتصم کو ہارون یا مامون کی طرح علم وادب سے ذوق نہ تھا۔ اس کی نمایاں تر صفت شجاعت تھی۔ زمین کی آبادانی کا بھی بڑا خیال رکھتا تھا۔ وزیر ابن زیات کو حکم دے رکھا تھا کہ جو افتادہ زمین تم ایسی دیکھو کہ اس سال اسپر اگر دس روپیہ صرف کرو تو سال آیندہ میں اُس سے گیارہ روپیے وصول ہوں ایسے خرچ کے لیے مجھ سے منظوری حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شہر سامرا کو اسی نے آباد کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ ترکوں کی کثرت سے بغداد میں ان کی گنجائش نہیں رہی۔ اور ان کی جہالت اور وحشت سے باشندوں کو اذیت ہونیلگی۔

نیز ایرانی اور ترکی سپاہیوں میں عداوت پیدا ہوگئی۔ اور معتصم کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ان میں باہم خلفشار نہ واقع ہو جائے۔ اس لیے بغداد سے ۹۰ میل کے فاصلہ پر دجلہ کے کنارے اس مقام کو جہاں ہارون نے نہر قاطول نکالی تھی اور اپنے لیے ایک قصر تعمیر کرایا تھا چھاؤنی کے لیے منتخب کیا۔ سنہ ۲۲۰ھ میں وہاں جاکر اپنے لیے ایک محل اور فوج کے لیے مکانات بنوائے۔ بیچ میں جامع مسجد اور بازار تعمیر کرایا۔ اشناس اور اس کے ماتحت ترکی امرا کے لیے محلہ کرخ فیروز بنوایا۔ اور ان کو اس میں آباد کرا دیا۔ اس کے بعد اسی کو اپنا دارالخلافت قرار دیا جسکی وجہ سے وہاں کی آبادی میں اسقدر ترقی ہوگئی کہ وہ بغداد کا مدمقابل ہوگیا۔

وفات

یکم محرم سنہ ۲۲۷ھ کو معتصم کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ۱۸ ربیع الاول سنہ ۲۲۷ھ مطابق ۵ جنوری سنہ ۸۴۲ء کو اس نے سامرا میں وفات پائی۔ مدت خلافت ۸ سال ۸ ماہ ۸ روز رہی۔

ولایت عہد

معتصم نے بھی اپنے بعد صرف ایک ہی ولیعہد اپنے بیٹے ہارون کو بنایا۔

(۹) واثق

ابو جعفر ہارون بن معتصم بن ہارون الرشید۔ یہ ایک رومی کنیز قراطیس کے شکم سے تھا۔ سنہ ۱۹۶ھ میں مکہ کے راستہ میں اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ معتصم کی وفات کے دن یوم پنجشنبہ ۸ ربیع الاول سنہ ۲۲۷ھ کو اسکے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ اور اس کا لقب واثق باللہ رکھا گیا۔

یہ بڑا عالم۔ علم دوست اور فلسفیانہ خیالات کا تھا۔ اس نے مامون کی مجلس مناظرہ کو پھر زندہ کیا جس میں ہر خیال کے علما مجتمع ہو کر بحث کرتے تھے۔ چونکہ یہ بھی اعتزال کا حامی

تھا اس لیے اسکے زمانہ میں بھی مسئلہ خلق قرآن میں شدت زیادہ بڑھ گئی۔

وزارت

معتصم کے زمانہ میں واثق وزیر ابن زیات کا سخت دشمن تھا۔ اور قسم کھا چکا تھا کہ جب میں خلیفہ ہونگا تو اس کو ضرور سزا دونگا۔ لیکن بیعت خلافت کے بعد اس نے دیکھا کہ امراء میں سے کوئی اس قابل نہیں ہے کہ وزارت کے فرائض کو اچھی طرح انجام دے سکے۔ اس لیے مجبوراً اسکو اس منصب پر قائم رکھا۔ اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ابن زیات کا اثر اور رسوخ معتصم کے زمانہ سے بھی زیادہ اس کے عہد میں بڑھ گیا۔ اور یہی آخر تک اسکا وزیر رہا۔

فوج

واثق کے عہد میں بھی فوج کی وہی حالت رہی جو معتصم کے زمانہ میں تھی۔ اور ترکی امراء بدستور اپنے اپنے مناصب پر قائم رہے۔ خاصکر اشناس کو بہت عروج ملا۔ واثق نے دربار میں اُس کے سر پر تاج رکھکر اس کو سپہ سالار اعظم بنایا۔

معتصم کے عہد میں عرب کی اس قدر حرمت باقی تھی کہ اُن کے اوپر عجمی فوج نہیں بھیجی جاتی تھی لیکن واثق نے ان کا یہ احترام بھی اُٹھا دیا۔ اور ترکی فوجوں سے اُنکو پامال کرادیا۔

شورش قبائل

اہل عرب جب ملکی اور فوجی مناصب سے علٰحدہ کردیے گئے تو پھر ان میں وہی جاہلانہ بدویت پیدا ہونے لگی جو اسلام سے پہلے تھی۔ اور تاخت تاراج اور غارت گری انھوں شروع کردی۔

قیس عیلان کا سب سے قوی قبیلہ بنی سلیم تھا۔ جو مدینہ کے متصل حرۂ بنی سلیم میں سکونت رکھتا تھا۔ اس نے مدینہ کے قرب وجوار پر دست تعدی دراز کیا۔ اور لوٹ مار کرنے لگا۔ اس قبیلہ کے لوگ جس بازار میں جاتے اس میں ظلم وستم کرتے۔ وہ چیزوں کو اپنے مقرر کردہ نرخ

پر خریدتے۔

جمادی الثانی سنہ ۲۳۰ھ میں بنی سلیم کے رئیس عزیزہ بن قطاب نے بنی کنانہ اور باہلہ پر حملہ کیا۔ اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ واثق نے حماد بن جریر طبری کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت پر متعین کیا۔ محمد ابن صالح امیر مدینہ نے حماد کو عزیزہ کے مقابلہ میں بھیجا۔ وہاں سے تین منزل کے فاصلہ پر مقام رویثہ میں اس سے مقابلہ ہوا۔ حماد نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ بنی سلیم نے اس کی فوج کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا۔ اور اب مدینہ پر بھی اُنھوں نے حملے شروع کر دیے۔ خلیفہ نے بغا کبیر کو ترکی۔ ایرانی نیز مغاربہ فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ مقدمہ لشکر پر طردوشش ترکی تھا اس نے بنی سلیم کے پچاس آدمیوں کو قتل اور پچاس کو گرفتار کیا۔ جب بغا حرۂ بنی سلیم میں پہونچا تو اس نے اس قبیلہ کے لوگوں کو جمع کر کے ان میں سے ایک ہزار آدمیوں کو جو شر اور فساد میں حصہ لیتے تھے پکڑ لیا۔ ذی قعدہ سنہ ۲۳۰ھ میں ان کو مدینہ میں لا کر یزید بن معاویہ کے گھر میں بند کیا اور خود حج کے لیے روانہ ہو گیا۔ واپسی میں قبیلہ بنی ہلال کے تین سو آدمیوں کو جو رہزنی کرتے تھے پکڑ لایا۔ اور بنی سلیم کے ساتھ اُن کو بھی اُسی گھر میں قید کر دیا۔

اسی اثنا میں اس کو بنی مُرّہ کی طرف جانا پڑا۔ کیونکہ ان لوگوں نے بھی شورش اٹھا رکھی تھی۔ اِدھر ان قیدیوں نے دیوار میں نقب لگائی اور چاہا کہ نکل جائیں۔ اہل شہر کو خبر ہو گئی۔ اُنھوں نے مجتمع ہو کر روکا قیدیوں نے لڑنا شروع کیا۔ اہل مدینہ نے ان سب کو جنکی تعداد تیرہ سو سے زیادہ تھی قتل کر ڈالا۔ بغا جب آیا تو اس نے اسقدر جانوں کے ضائع ہو جانے پر بہت افسوس کیا۔

بنی مُرّہ اور بنی فزارہ جو فدک پر قابض ہو گئے تھے ان کے پاس بغا نے ایک

فزاری رئیس کو بھیجا کہ ان کو امان دے کر لاؤ۔ اس نے جاکر فوج شاہی کی سطوت سے ان کو ڈرایا۔ وہ ڈر کر پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ اور صرف چند اشخاص انہیں سے حاضر ہوئے۔

بغا نے بنی اشجع اور غطفان کو بھی امان دی۔ اور اُن سے حلف لیا کہ جب وہ بلائے جائینگے حاضر ہو جائینگے۔ اسکے بعد بنی کلاب کو جمع کیا۔ تقریبًا تین ہزار آدمی حاضر ہوئے۔ ان میں تیرہ سو اشخاص کو جو اہل فساد تھے پکڑ لیا۔ اور رمضان ۲۳۱ھ میں انکو مدینہ میں لاکر قید کیا اور پھر حج کے لیے مکہ کو گیا۔ واپسی کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اشجع اور غطفان ابھی تک قتل و غارت سے باز نہیں آئے۔ اس لیے ان کو بلایا۔ لیکن بجز دو ایک آدمیوں کے اور کوئی نہیں آیا۔

۲۳۲ھ میں واثق نے حکم بھیجا کہ بنی نمیر بلاد یمامہ میں قتل و غارت گری کر رہے ہیں ان کی طرف بڑھو۔ بغا اس طرف گیا انھوں نے مقابلہ کیا۔ جس میں ان کے پچاس آدمی مقتول اور چالیس گرفتار ہوئے۔ وہاں سے وہ بنی نمیم کی ایک بستی مراۃ کی طرف آیا۔ اور ان کے پاس کئی قاصد بھیجے کہ تم لوگ سرکشی سے باز آؤ۔ لیکن وہ باز نہیں آئے اور اس کے فرستادوں کو گالیاں دیتے رہے۔ بغا جب اُن کی طرف بڑھا تو پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ اس نے ایک دستہ فوج اُن کے پیچھے بھیجا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔ آخر خود ان کے تعاقب میں چلا۔ مقام روضۃ الابان میں مقابلہ ہو گیا۔ بغا نے محمد بن یوسف جعفری کو انکی فہمائش کے لیے بھیجا۔ اُنھوں نے ابن یوسف سے کہا کہ ہم نے تمھاری حفاظت اور حمایت کی لیکن افسوس ہے کہ تم نے ہماری قرابت اور حرمت کا کچھ خیال نہ کیا اور آج ان غلاموں اور عجمی حبشیوں کو ہمارے مٹانے کو لائے۔ اس کا مزا ہم تم کو چکھا دینگے۔

صبح کے وقت بنی نمیم نے اس طرح حملہ کیا کہ آگے پیادہ فوج کو رکھا اور پیچھے

سواروں کو۔ ترکی فوج شکست کھاگئی۔ بغا بھی ایک طرف بھاگا۔ اور قریب تھا کہ مقتول ہوجائے۔ لیکن اسی اثنا میں دو سو ترکوں کا ایک دستہ جو بنی نمیر کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا واپس آگیا۔ اس نے یہ کیفیت دیکھکر اپنے طبل و کوس بجانے شروع کیے۔ بنی تمیم کے لوگوں نے خیال کیا کہ کوئی تازہ دم فوج کمک کے لیے آگئی۔ اس لیے وہ گھبرا گئے۔ انکے سواروں نے راہِ گریز اختیار کی۔ اور پیادے سب کے سب مارے گئے۔

بغا تین دن تک وہاں ٹھہرا۔ جو لوگ بھاگے تھے اُنھوں نے اس سے امان مانگی۔ بغا نے امان منظور نہیں کی۔ سب کو گرفتار کرلیا۔ اور اپنے ساتھ لے چلا۔ راستہ میں ایک مقام پر انھوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ بغا نے اُن کو کوڑوں سے خوب پٹوایا۔ ذیقعد سنہ ۲۳۲ھ میں ان کو لے کر بصرہ میں پہونچا۔ وہاں سے مدینہ کے عامل محمد بن صالح کو لکھا کہ بنی فزارہ۔ مرہ۔ اور ثعلبہ وغیرہ کے جسقدر قیدیوں کو میں تمھاری حوالات میں چھوڑ آیا ہوں ان کو لے کر بغداد میں آؤ۔ بغا وہاں سے کل قیدیوں کو جن کی تعداد ۲۲۰۰ تھی خود لے کر سامرا پہونچا۔

مصادرۂ کتّاب

ہرچند کہ اس عہد میں دفاتر مرتب تھے لیکن ان کی جانچ پڑتال نہ ہونے کی وجہ سے اکثر کاتب خیانت پیشہ ہوگئے تھے۔ رشوت خواری کے علاوہ خود سرکاری مال غبن کرتے تھے۔ چنانچہ یہ عہدے بڑے قیمتی ہوگئے تھے۔ اور بیش قرار رقمیں دے کر خریدے جاتے تھے۔

جو شخص کسی محکمہ میں کاتب ہوجاتا تھا وہ بہت جلد اغنیائے شہر میں شمار ہونے لگتا تھا خلفا اس بات کو دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے لیکن اس کا کوئی بند و بست نہیں کرسکتے تھے۔

ابتدا میں واثق چونکہ ان امور کی طرف سے غافل رہا اسو جہ سے اس کے عہد میں عاملوں اور کاتبوں کی خیانت اور بد دیانتی بہت بڑھ گئی۔ مجبوراً اس نے یہ طریقہ نکالا کہ جس کی ثروت اس کی جائز آمدنی سے زیادہ دیکھتا اس کے اوپر خیانت کا گمان کر کے جرمانہ میں ایک رقم اس سے وصول کر لیتا۔ محرروں کے علاوہ سر دفتروں سے جو رقمیں اس نے اس طرح پر وصول کیں ان کی تفصیل یہ ہے

۱	احمد بن اسرائیل کاتب	۸۰۰۰۰ دینار
	سلیمان بن وہب کاتب ایتاخ	۴۰۰۰۰۰ دینار
	حسن بن وہب	۱۴۰۰۰ 〃
	احمد بن خصیب اور اسکے ماتحتوں سے	۱۰۰۰۰۰۰ 〃
	ابراہیم بن رباح اور اسکے ماتحتوں سے	۱۰۰۰۰۰ 〃
	نجاح	۶۰۰۰۰ 〃
	ابوالوزیر	۱۴۰۰۰۰ 〃
	میزان	۱۷۹۴۰۰۰ 〃

لیکن یہ طریقہ نہ کسی اصول پر مبنی تھا نہ تعین رقم کے لیے کوئی نظام تھا جس کی وجہ سے اہل غرض کو اس قسم کی تہمتیں لگانے کے موقع حاصل ہو گئے۔

احوال خارجیہ

رومیوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ واثق کے عہد میں بھی جاری رہا۔ چونکہ دونوں فریق کے پاس ایک دوسرے کے اسیران جنگ تھے اس لیے باہم یہ

طے ہوا کہ ان کا تبادلہ کرلیا جائے۔

پہلا تبادلہ ۳۷۰۰ اسیروں کا ہارون کے عہد میں دریائے لامس کے کنارے ہوا تھا۔ پھر دوبارہ اسی کے زمانہ میں ۲۵۰۰ قیدی چھڑائے گئے۔ یہ تیسرا تبادلہ تھا جو واثق کے عہد میں ہوا۔ دونوں فریق دریائے لامس کے ایک ایک جانب اسیروں کو لے کر یوم عاشورا ۲۳۱ھ کو آئے۔ وہاں دو پل بنائے گئے کہ ایک پر سے مسلمان قیدی آئیں اور دوسرے پر سے رومی قیدی جائیں۔ تبادلہ تعداد پر تھا۔ یعنی ایک اسیر کے بدلہ میں ایک اسیر خواہ وہ کسی قسم کا ہو۔ اس موقع پر ۴۶۰۰ قیدی چھڑائے گئے جنمیں سے ۶۰۰ عورتیں اور بچے اور پانسو ذمی تھے۔ سو رومی مسلمانوں کے پاس بچ گئے۔ خاقان نے جو خلیفہ کی طرف سے اس کام کے لیے آیا تھا ان کو بلا فدیہ چھوڑ دیا۔ اور رومی امیر سے کہا کہ ہم نے اس لیے ان کو مفت آزاد کر دیا کہ اس تبادلہ میں بھی ہمارا احسان اور درجہ تمہارے اوپر غالب رہے۔

عجیب و غریب بات یہ تھی کہ قاضی احمد بن ابی دؤاد نے اپنا ایک آدمی اس غرض کے لیے بھیجا کہ وہ جا کر مسلمان قیدیوں سے اس بات کا اقرار لے کہ قرآن مخلوق ہے۔ جو اسکو مان لے وہ چھڑایا جائے اور جو اقرار نہ کرے وہ کافر ہے اسکو چھڑانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے اسکے اعتزال کے غلو کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

وفات

واثق کی عمر کا چھتیسواں سال تھا کہ وہ مرض استسقا میں مبتلا ہوا۔ اور ۲۴ ذی حجہ ۲۳۲ھ مطابق ۱۱ اگست ۸۴۷ء کو انتقال کر گیا۔ اس نے کسی کو اپنا ولیعہد نہیں بنایا۔

مدت خلافت ۵ سال۔ نو ماہ اور ۱۱ روز رہی

[illegible]

تصانیف مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

تاریخ الامت حصہ اول — سیرۃ الرسولؐ — قیمت فیجلد عہ ۸ر

〃 ایضاً دوم — خلافت راشدہ — ایضاً عـــہ

تاریخ الامت حصہ سوم — خلافت بنی امیہ — 〃 عہ ۸ر

تاریخ القرآن - اسمیں قرآن کے ابتدا نزول سے آجتک کے حالات ہیں۔ 〃 عہ مجلد ۱ہ ۸ر

حیات حافظ - خواجہ حافظ شیرازی کی سوانح عمری۔ اُنکی شاعری پر بحث — قیمت عہ ۸ر

خواتین - اسمیں ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک کی تینتیس مشہور مسلمان خواتین کے معتبر تاریخی حالات ہیں — 〃 عہ ۸ر

حیات جامی - مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی کی سوانح عمری۔ اُنکی تصانیف پر تبصرہ — 〃 ۸ر

وراثۃ فی الاسلام - بزبان عربی - قانون وراثت بالکل جدید نوعیت کیساتھ — 〃 ۸ر

ملنے کا پتہ :-

مکتبہ جامعہ ملیہ علیگڑھ

مطبوعات جدیدۂ مفیدہ

ازہار العرب۔ مختصر انتخاب کلام شعراء عرب از مولانا محمد سورتی صاحب۔ جسکو جامعہ نے
عربی تعلیم کے نصاب میں داخل کیا ہے۔ قیمت مجلد ۸/

مبادی معاشیات۔ جامعہ کے استاد معاشیات ڈاکٹر حسین خاں صاحب نے ڈاکٹر کینن کی
معرکۃ الآرا تصنیف کا اردو میں بے نظیر ترجمہ کیا ہے۔ قیمت عہ/

الخلافۃ الکبریٰ۔ تفسیر القرآن فی معارف القرآن کا پہلا حصہ جس میں سورۂ بقرہ کی
جامع تفسیر ہے مصنفہ خواجہ عبد الحی صاحب فاروقی شیخ التفسیر جامعہ ملیہ۔ للعہ/

المدنیۃ و الاسلام۔ فرید وجدی علامہ مصر کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ از مولانا رشید احمد صاحب
مرحوم سابق استاد جامعہ ملیہ۔ قیمت عہ۴/

الفوز الکبیر۔ اصول تفسیر پر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی مشہور تصنیف کا اردو
ترجمہ از مولانا رشید احمد صاحب مرحوم سابق استاد جامعہ ملیہ۔ ۱۲/

خلافۃ و جزیرۃ العرب۔ مولانا ابو الکلام صاحب مدظلہ کے مشہور خطبۂ صدارت کا انگریزی ترجمہ
از مرزا عبد القادر بیگ صاحب (ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی) عصہ

خطبۂ صدارت۔ شیخ الہند مرحوم۔ ۲/

خطبۂ صدارت۔ مسیح الملک صاحب مدظلہم۔ ۲/

خطبۂ صدارت۔ ڈاکٹر پی۔ سی رائے۔ ۲/

مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ علی گڑھ